شہاب کی سرگزشت

نیاز فتح پوری

ناشر
حلقۂ نیاز و نگار کراچی

شہاب کی سرگزشت

نیاز فتح پوری

ناشر

حلقۂ نیاز و نگار کراچی

(جملہ حقوق محفوظ)

نام کتاب ------ شہاب کی سرگزشت
مصنف ------- علامہ نیاز فتح پوری
ناشر --------- حلقہ نیاز و نگار کراچی
قیمت -------- چالیس روپے

تقسیم کنندگان

۱- شمیم بک ایجنسی ۲/۱۲/۳
بی ۵ نارتھ کراچی

۲- عامر بک سنٹر شاپ نمبر ۱۴
نیو اردو بازار کراچی نمبر ۱

شہاب کی سرگزشت

شہاب یوں تو اپنے کالج کی زندگی میں بھی اک ذہین دل و دماغ رکھنے والا نوجوان مشہور تھا، لیکن اُس کے نازک و نحیف جسم سے (ایسا نازک و نحیف جسم کہ جب وہ دارالاقامہ میں شال اوڑھ کر لیٹ جاتا تو یہ یقین کرنے کو جی نہ چاہتا کہ یہ کوئی لڑکی نہیں ہے) کسی کو یہ توقع نہ ہو سکتی تھی کہ اس کے اندر ایسا عجیب و غریب احساس پرورش پا رہا ہے جو مستقبل قریب میں زمانہ کو متحیر و مبہوت بنا دینے والا ہے۔

وہ اُس کی ہر دل میں گھر کرنے والی ادائیں، وہ اُس کی خودداریاں جنہوں نے اس کے اندر خدا جانے کتنی رعنائیاں پیدا کر دی تھیں، وہ خصوصیات تھیں، کہ لفظ شہاب کا مفہوم ہی متانت و سنجیدگی، خودداری و رعنائی، ذہانت و تہذیب قرار پا گیا تھا۔ وہ بات کرتا تو صاف صاف ہر ہر لفظ علیحدہ علیحدہ اور کوشش کرتا کہ نہایت مختصر جملہ اُس کے مدعا کو ادا کر سکے، اور اس باب میں آپ سے اس حد تک غلو تھا کہ بسا اوقات لوگوں کو اس کی گفتگو سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔

وہ فطرتاً فلسفی تھا، لیکن اسی کے ساتھ صد درجہ پاکیزہ ذوق ادب بھی اپنے

اندر رکھتا تھا اور حیرت ہوتی تھی کہ وہ شخص جو محض علمی آدمی بن سکتا تھا اس میں اتنی نزاکت خیال و لطافت ذوق کہاں سے آئی۔ وہ کسی دولت مند باپ کا بیٹا نہ تھا، لیکن اس کے شاہانہ استغنا اور بے نیازانہ انداز کو دیکھ کر لوگ اکثر یہی سمجھتے تھے کہ شاید وہ بے انتہا دولت کا مالک ہے۔ ہمیشہ ایسا ہوا کہ اپنے احباب کے حقوق اس نے وقت پر ادا کیے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنے حقوق اس نے دوسروں کے سامنے پیش کیے ہوں۔

جس طرح وہ بڑی سے بڑی مسرت سے غیر متاثر نظر آتا تھا اسی طرح سخت ساسخت رنج بھی اس کو افسردہ و مضمحل نہ بنا سکتا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم میں اعصاب کے بجائے فولاد کے تار ہیں جن پر کسی چیز کا اثر ہوتا ہی نہیں لیکن جنہیں اس کی طبیعت کا اندازہ تھا وہ سمجھ لیتے تھے کہ کس وقت کیسا طوفان مسرت یا سیلاب غم اس کے اندر جوش زن ہوتا ہے، جسے وہ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

یہ تھی شہاب کی وہ سیرت جس سے کالج کا ہر طالب علم آگاہ تھا، لیکن جب تکمیل تعلیم کے بعد اس نے کالج چھوڑا اور گھر میں مطمئن ہو کر بیٹھا تو اس کے وہ اندرونی جذبات جن کا پتہ کالج میں مشکل سے چل سکتا تھا ظاہر ہونے لگے اور اس کی طبیعت میں دفعتاً ایسا عجیب و غریب انقلاب رونما ہوا کہ لوگ حیران رہ گئے۔

(ا)

شہاب زنان خانہ سے باہر نشست گاہ کے ایک صاف ستھرے کمرہ میں جو اس کا دار المطالعہ بھی تھا اور اسٹوڈیو بھی، بیٹھا ہوا ہے، علاوہ ادب اور فلسفہ کے اس کا ایک مشغلہ نقاشی و مصوری بھی تھا۔ وہ کالج میں بھی کہا کرتا تھا کہ مطالعۂ کتب و نقاشی سے بہتر شغل اور کوئی نہیں؟ کیونکہ کتاب سے زیادہ ساکت بات کرنے والا اور تصویر سے

زیادہ خاموش مخاطب کوئی نہیں، اسی وقت اُس کا ایک نہایت بے تکلف دوست مُسکراتا ہوا اندر آتا ہے۔

شہاب کتاب کو علیحدہ رکھ کر محمود کی صورت دیکھتا ہے اور اُس کی نگاہیں کچھ پوچھتی ہیں۔

محمود۔ "میں تم سے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم سے چھپا بھی نہیں سکتا۔"

شہاب۔ "پھر چھپانے کی کوشش کیوں کرو جب مجھ سے چھپ نہیں سکتی۔"

محمود۔ "تو پھر مجھے خوش نصیب کہو کیونکہ اس سے زیادہ کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

شہاب۔ "لیکن ہر کامیابی خوش نصیبی تو نہیں۔"

محمود۔ "مگر یہ تو ہے۔"

شہاب۔ "شاید۔"

محمود۔ "کیوں؟"

شہاب۔ "اس لئے کہ یہ کامیابی کوئی خوشی کی بات نہیں۔"

محمود۔ "(حیرت سے) یہ کیا کہتے ہو، غضب خدا کا اک عمر کی کوشش کے بعد تو یہ معاملہ میری خواہش کے مطابق طے ہوتا ہے اور تم اُسے خوشی کی بات نہیں سمجھتے ——— کیوں؟"

شہاب۔ "اسی لئے کہ وہ تمہاری خواہش کے مطابق طے ہوا کاش تم ناکامیاب رہتے۔"

محمود:- "شہاب خدا کے لئے اپنی فلسفہ طرازی اس مسئلہ میں صرف نہ کرو اگر تم میری اس مسرت میں حصہ نہیں لے سکتے تو کم از کم اس مسرت کا یقین تو مجھ سے نہ چھینو ورنہ میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا"

شہاب:- "خیر اگر انقطاع مسرت آپ کے ہاں کوئی مسرت کی بات ہے تو میں خاموش رہنے کی کوشش کرونگا"

محمود:- (ذرا برہم ہوکر) تم اک بات پر قطعی حکم کس آسانی سے لگا دیتے ہو حالانکہ کبھی کبھی تم بھی اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوگے"

شہاب:- (مسکرا کر) ہاں یہ صحیح ہے کیونکہ دوسروں کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے بعض اوقات مجھے بھی غلط ہو جانا پڑتا ہے ورنہ ایسی کھلی ہوئی بر خود غلط مسرت محتاج اظہار نہ تھی"

محمود:- "غضب ہے کہ ایک شخص مسرت کو محسوس کر رہا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ نہیں غلط ہے، غالباً آپ سے زیادہ بہتر وہ سمجھ سکتا ہے۔ قیاس سے مخالفت تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن واقعات کی تکذیب کرتے آپ ہی کو دیکھا ہے"

شہاب:- "اس شخص کی غلطی یہی ہے کہ وہ ایک بات کو واقعہ سمجھتا ہے حالانکہ وہ واقعہ نہیں، صرف واقعہ کا تصور بلکہ وہم ہے"

محمود:- "مجھے بتاؤ کہ کیوں تم میری اس مسرت کو واقعہ نہیں سمجھتے اور کیوں نہ میں اس کو واقعہ سمجھوں"

شہاب:- "دیکھو ایک صورت واقعہ نہ ہونے کی تو یہ ہے کہ وہ واقعہ نہ ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو اثر اس کا ہونا چاہئے وہ نہ ہو بلکہ اس کے

خلاف ہو۔ ایک شخص اپنے دوست کی موت پر ہنس رہا ہے اور کہتا ہے کہ کیسی مسرت کی رات ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ غلطی ہے وہ کہتا ہے کہ نہیں یہ واقعہ پر مبنی ہے، کیا میں اس کو حقیقت سمجھوں۔ محمود، قبل اس کے کہ تم اپنے نکاح کے مسئلہ پر اظہار مسرت کرو، غور کر لو کہ تمہاری یہ مسرت کہیں ویسی ہی تو نہیں، جیسی اُس شخص کی جو اپنے دوست کی موت پر ہنس رہا ہو۔"

محمود:۔ "تو کیا دنیا میں جہاں جہاں محفل طرب قائم ہے وہاں بزم عزا قائم ہونا چاہیئے اور نکاح کی ان مسرتوں کو، جسے اخلاق، مذہب، قانون، تمدن، سبھی نے بالاتفاق مسرت سمجھا اور محسوس کیا ہے۔ مصائب و آلام سمجھ کر زن و شوہر کو باہم ماتم کرنا چاہیئے اور احباب کو اظہار تعزیت۔"

شہاب:۔ "مجھے دنیا اور اُس کے مراسم، مفروضہ اخلاق و مذہب اور اس کے اُصول سے بحث نہیں، میں تو صرف تمہارے متعلق گفتگو کرتا ہوں، اور اگر بُرا نہ مانو تو مجھے اس وقت افسوس کرنے دو کہ تمہاری حقیقی مسرتیں کس قدر جلد تم سے چھین لی جانے والی ہیں۔"

محمود:۔ "اگر اس سے مقصود تمہارا یہ ہے کہ شادی کے بعد میری آزادی سلب ہو جائے گی تو خیر ایک حد تک درست ہے، لیکن اگر اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ نکاح واقعی کوئی معقول بات نہیں تو میں اسے کیونکر صحیح سمجھوں۔"

شہاب:۔ "خیر آزادی کا سوال تو فضول ہے کیونکہ بہت کم لوگ اس کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں، لیکن میں تو صرف نکاح کی بات کر رہا ہوں کہ تمہارے لئے واقعی یہ حادثہ سے کم نہیں۔"

محمود: "تمہیں معلوم ہے کہ سکینہ کی اور میری پرورش ساتھ ہی ساتھ ہوئی ایک ہی جگہ رہے اور بڑھے، یہاں تک کہ شباب کے سب سے پہلے جذبہ نے میرے اُس کے درمیان پردہ کی دیوار حائل کر دی، پھر کالج کی چار سال کی زندگی میں بھی ہم ایک دوسرے سے غافل نہیں رہے۔ اس کے بعد جو دشواریاں حائل ہوئیں اُن سے بھی تم ناواقف نہیں ہو، اب خدا خدا کرکے تمام باتیں طے ہو گئی ہیں اور مجھے اطمینان ہوا ہے تو کیا میں اس پر اظہار تاسف کروں، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنی اور اس کی محبتوں کا خون کر دوں، کیا اس سے زیادہ میں کسی اور سے محبت کر سکتا ہوں"؟

شہاب: "چونکہ تم اس سے زیادہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتے، اسی لئے وہ تمہاری بیوی بننے کے لئے ناموزوں ہے۔ رہا محبتوں کا خون کرنا جس کے خیال سے تم کانپنے لگتے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ دنیا میں نکاح سے زیادہ کوئی اور ذریعہ محبتوں کے خون کرنے کا ہو سکتا ہے"؟

محمود: "کس قدر عجیب و غریب فلسفہ ہے، لوگ آرزوئیں کرتے ہیں کہ محبت کا نتیجہ ازدواج ہو، اور وہ اتحاد بہت کامیاب سمجھا جاتا ہے جو محبت پر قائم ہو، آپ فرماتے ہیں کہ یہ سب لغو ہے، کم از کم میں تو اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں"

شہاب: "میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ آرزوئیں نہیں کرتے یا یہ کہ وہ ایسی شادی کو کامیاب نہیں سمجھتے، میں بھی بالکل وہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو کہ محبت کا نتیجہ ازدواج چاہا جاتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ تم اس نتیجہ کے خیال سے خوش ہوتے ہو اور میں ملول، تم نتیجہ کے معنے لیتے ہو عروج و ارتقاء اور میں اس کا مفہوم

انحطاط و زوال سمجھتا ہوں، تم نکاح کو محبت کی کامیابی جانتے ہو اور میں اُسے محبت کی موت سمجھتا ہوں۔"

محمود۔ "کیا نکاح محبت کو زائل کر دیتا ہے، کیا جس سے ملنے کی آرزو کی جائے اس سے ملنا خلافِ فطرت ہے۔ کیا مقصد کی کامیابی دنیا میں بُری بات ہے، کیا نظامِ کائنات حصولِ مدعا کی تگ و دو پر قائم نہیں؟"

شہاب۔ "تم مسئلۂ محبت و ازدواج کو دنیا کے اور مسائل میں کیوں شامل کرتے ہو، کون کہتا ہے کہ حصولِ مدعا بُری چیز ہے، لیکن مسئلۂ نکاح میں، اور نکاح بھی وہ جو نتیجۂ محبت قرار دیا جائے، سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ ایک شخص مدعا اُس چیز کو قرار دیتا ہے جو حقیقتاً مدعا نہ ہونا چاہیئے۔ اگر محبت کا نتیجہ صرف نکاح ہونا چاہیے تو میں کہونگا کہ آگ کا کام بہا لیجانا اور پانی کا کام جلا دینا ہونا چاہیئے، محمود افسوس ہے کہ تم سا ادیب اور تم سا لطیف الخیال شخص محبت کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتا، اگر محبت نام ہے صرف اُس جذبۂ شہوانی کا جو چودہ پندرہ برس کی عمر سے شروع ہو کر تیس چالیس کی عمر میں فنا ہو جاتا ہے، اگر محبت کا مفہوم تمہارے ہاں صرف وہ ہیجانِ عصبی ہے جو نتیجہ ہے نشو و نما کی پختگی کا تو تمہیں اپنی محبت کی کامیابیاں مبارک، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو مجھے بحیثیت ایک دوست ہونے کے اس نوع کی تباہیوں پر اظہارِ تاسف کرنے دو۔ اگر تم اپنی محبت پر موت طاری کرنا پسند کرتے ہو تو مجھے بھی اس کی موت پر ماتم کرنے دو! جب میں تمہیں شادی کرنے سے نہیں روکتا تو تم میرے غم کرنے پر کیوں بگڑو۔"

محمود۔ "میں جانتا ہوں کہ محبت نام نہ جذبۂ شہوانی کا ہے۔ اور نہ ہیجان عصبی کا، لیکن یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ نکاح کا سبب صرف یہی جذبہ اور ہیجان ہو سکتا

ہے، کیا محبوب کے ساتھ مل کر رہنے کی خواہش کافی وجہ نکاح کو مستحسن سمجھنے کی نہیں ہے، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر سکینہ میری ہو گئی اور میرے دل سے یہ خلش جاتی رہی کہ وہ کسی دوسرے کی ہو سکتی ہے تو میں دنیا میں بہت کچھ کر سکوں گا اور اپنی زندگی کے اس نصب العین کو پا لوں گا جسے تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو"

شہاب "خیر اس بحث کو جانے دو، شاید میری ہی غلطی ہو، ہاں تو کونسی تاریخ مقرر ہوئی ہے اور کن شرائط کے ساتھ یہ معاملہ طے پایا ہے، کم از کم دو دن نکاح سے پہلے مجھے بتا دینا تاکہ میں کہیں باہر چلے جانے کا کوئی معقول بہانہ تلاش کر سکوں"

محمود "شہاب، خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو، کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر شہاب کے محمود کا نکاح ہو جائے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس پر تم راضی نہیں ہو، یوں تم اگر حکم دیتے ہو تو میں ہمیشہ کے لئے نکاح کو بدترین چیز کہہ دینے کے لئے آمادہ ہوں لیکن میرے دل کو مجبور نہ کرو کہ وہ تمہارا ہم آہنگ ہو جائے"

شہاب "محمود اگر بجائے تمہارے کوئی دوسرا شخص ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی، لیکن میں تمہیں اپنے سامنے برباد دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا اور شرکت سے معذور ہوں، رہا تم کو سمجھانا، سو یہ بھی میرے اختیار میں نہیں، کیونکہ کوئی جذبہ انسانیت پر غالب آ جاتا ہے تو مشکل سے اس کا اثر دور کیا جا سکتا ہے، ورنہ تم اور محبت کی ایسی توہین کرو، تمہاری صورت دیکھتا ہوں اور حیرت کرتا ہوں"

محمود "اچھا یہ تو بتاؤ محبت کس جذبہ کا نام ہے، کیا محبت کرنے والا

یہ نہیں چاہتا کہ اس کا محبوب اس سے مل جائے اور کیا یہ خواہش غیر فطری خواہش ہے؟"

شہاب "میرے نزدیک محبّت نام ہے ایک بے غرض انہماک کا ایک خود فراموش محویت کا جو پیدا ہو حُسن کو دیکھ کر خواہ وہ حُسن ظاہری ہو یا باطنی، واضح ہو یا غیر واضح، زمین میں ہو یا آسمان میں۔ رہا یہ امر کہ محبّت کرنے والا محبوب سے مل جانا چاہتا ہے یا نہیں اور یہ خواہش فطری ہے یا غیر فطری، اس کے متعلق میں صر . کہہ سکتا ہوں کہ وہ شخص جس کی محبّت اس بات پر مجبور کرے حقیقتاً محبّت نہیں ہے بلکہ وہ اک جذبۂ شہوانی ہے اور اس لئے غیر فطری نہیں، اگر تم یہ اقرار کر لو سکینہ کے ساتھ تمہاری اُلفتیں سراسر جذبات شہوانی تھیں تو مجھے بحث نہیں۔ تم شوق سے نکاح کرو، لیکن اگر تم اب بھی اس کو حقیقی محبّت کہتے ہو تو میں قیامت تک تم دونوں کی مواصلت نہیں دیکھ سکتا۔ اگر تم کبھی فلسفۂ محبّت پر غور کرتے اور اسی کے ساتھ مفہوم لذت پر بھی، تو شاید اس قدر مخالفت نہ کرتے:

محمود "میں یہ تو کبھی نہیں مانوں گا کہ سکینہ کے ساتھ میری محبّت کسی جذبۂ شہوانی کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر سکینہ مجھ سے نہ ملے تو بھی میری محبّت زائل نہیں ہو سکتی۔ مگر ہاں وہ فلسفۂ محبّت و لذت معلوم کرنا چاہتا ہوں جسے آپ نے وضع کیا ہے"

شہاب "اچھا اب یہ بتاؤ کہ لذتِ محبت کیا چیز ہے، آیا محبّت محض اس لئے کہ وہ محبّت ہے اِک لذیذ شئے ہے یا اس کی لذت کا تعلق کسی اور جذبہ سے بھی ہے؟"

محمود:۔ محبت بجائے خود ایک مستقل لذت ہے اور اس کا تعلق صرف احساس سے ہے؟ جو کسی دوسرے کی محتاج نہیں۔"

شہاب:۔ اچھا اگر آج اس لذت کو محبت سے جدا کر لیا جائے (یعنی اگر ایسا ممکن ہو) تو پھر تم کیا کرو گے اس محبت کو محبت تسلیم کر کے لذت کے جُدا ہو جانے پر حیرت کرو گے یا اُس محبت کو تسلیم نہ کرو گے۔"

محمود:۔ یقیناً میں اس محبت کو محبت نہ کہوں گا بلکہ اس کو صرف اک عارضی جذبۂ پسندیدگی کہوں گا۔"

شہاب:۔ بالکل صحیح، دیکھو پھر اپنے اس اقرار سے مکر نہ جانا۔ تم تسلیم کر چکے ہو کہ محبّت سے لذّت جُدا نہیں ہوتی اور اگر ہو جائے تو محبّت نہیں گویا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ محبّت کا مدعی کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی لذّت اس سے چھین لی جائے اور اگر گوارا کرے تو اس کا دعوۂ محبت و عشق غلط ہے۔"

محمود:۔ ہاں، میں کیا، کُل زمانہ اس کو تسلیم کرتا ہے۔"

شہاب:۔ اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس وقت تک سکینہ سے تمہاری جدائی تمہارے لئے باعث اذیت ہے یا باعث لذّت؟"

محمود:۔ (ذرا غور کر کے) یقیناً باعثِ تکلیف ہے۔"

شہاب:۔ تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اس تکلیف کا تعلق محبّت سے ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ تکلیف اسی لئے ہو گی کہ تمہیں اُس سے محبت ہے اس لئے یہ ثابت ہو گیا کہ اس وقت تک جتنا زمانہ تم نے فراق میں بسر کیا ہے وہ زمانہ محبت سے خارج تھا، ورنہ تم کو کبھی تکلیف نہ ہوتی، کیونکہ تم خود تسلیم کر چکے

ہو کہ محبت سے اگر لذت جُدا ہو جائے تو وہ محبت نہیں "

محمود :۔ (پریشان ہو کر) نہیں میرا یہ مطلب نہیں ....

شہاب :۔ ذرا صبر کرو۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تکلیف ہونا دوسری چیز ہے اور لذت کا مٹ جانا دوسری چیز، علی الخصوص اس وقت جبکہ محبت کی اذیت کو بھی لذت سمجھ لیا جائے، یہ درست ہے لیکن پھر میں یہ سوال کروں گا کہ اگر سکینہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس کے ملنے کا تم کبھی خیال بھی دل میں نہ لا سکتے تو کیا اس وقت بھی اُس کی جُدائی تمہارے لئے باعث اذیت ہوتی "

محمود :۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں جب کہ کوئی آرزو قایم نہ کروں آرزو پوری نہ ہونے سے کیا تکلیف ہو سکتی ہے "

شہاب :۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے سکینہ سے صرف اس لئے محبت کی تھی کہ اُس کو تم قابل حصول چیز سمجھتے تھے، ورنہ شاید تمہیں محبت نہ ہوتی "

محمود :۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں تو اب بھی کہہ رہا ہوں کہ اگر سکینہ مجھ سے دور رہے تو بھی میری محبت زائل نہیں ہو سکتی۔ گو اس سے مجھے تکلیف پہونچے اور شاید ایسی تکلیف کہ میں اُس سے جانبر نہ ہو سکوں "

شہاب :۔ اگر میں تمہارے اس دعوے کو تسلیم کر لوں تو بھی تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس سے ملنے کی آرزو نتیجۂ محبت تھی یعنی اگر تمہیں اس سے محبت نہ ہوتی تو کبھی اس سے ملنے کی تمنا تمہارے دل میں پیدا نہ ہوتی پھر جب تمہاری محبت کا اقتضا یہ ٹھہرا کہ تم اس سے ملنے کی آرزو دل میں پیدا کر دا اور نہ صرف آرزو بلکہ حصول آرزو کے لئے آسمان زمین ایک کر دو، تو پھر تم یہ کیونکر کہتے ہو

کہ تمہاری محبت کا نصب العین صرف محبت ہے اور اس میں کسی دوسری چیز کو دخل نہیں، تم میں تو اس کا احساس ہی نہ ہونا چاہیئے کہ سکینہ ہے کون چہ جائیکہ اُس سے نہ ملنے پر کڑھنا۔ یاد رکھو محمود، اس مسئلہ میں فریب نفس اتنا شامل ہوتا ہے کہ حقیقت کا معلوم کرنا دشوار ہو جاتا ہے، دنیا میں محبت کی کوئی مثال تمہیں ایسی نہ ملے گی کہ اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی علت حقیقی جذبۂ شہوانی نہ نکلے، اس لئے اگر تم بھی اسی فریب میں مبتلا ہو تو حیرت کی بات نہیں اور نہ میں اس کو برا سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے فطری جذبات پورا کرے، بلکہ بسا اوقات ان کا پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن میں تو صرف اس بات سے جلتا ہوں کہ لوگ محبت کا ذکر کیوں کرتے ہیں، اور اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ میرے حلقۂ احباب میں تمہیں ایک ایسے شخص ہو جس کے اندر حقیقی معنی میں محبت کا نشوونما ہو سکتا ہے تو میں کبھی مخالفت نہ کرتا۔ لیکن چونکہ میں تم کو عام سطح انسانی سے بہت بلند پاتا ہوں اس لئے جی نہیں چاہتا کہ تم اُس غلطی میں مبتلا رہو، اور اُن روحانی لذتوں کو جنھیں صرف تمہیں حاصل کر سکتے ہو اس قدر ارزاں دیدو۔ تم شاعر ہو، ادیب ہو، ایسے شاعر و ادیب کہ زمانہ کم پیدا کرتا ہے، تم فطرتاً نقاش و مصور پیدا ہوئے ہو، ایسے نقاش و مصور کہ اگر میں تمہیں خود فطرت کا موئے قلم کہوں تو بیجا نہ ہوگا۔ تم ذہین و حساس ہو، ایسے ذہین و حساس کہ قدرت شاذونادر ایسے افراد پیدا کرتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ تمہیں کو ان عطیات کی کوئی قدر نہیں اور صرف ایک عارضی لذت کے عوض تم ان کا سودا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ نکاح میں بھی وہی لذت ہے جو اُس کے خیال میں ہے، کیا تمہیں یقین ہے کہ کسی سے مل جانا ملنے کی آرزو سے زیادہ پُرلطف ہے،

کیا تم واقف نہیں کہ آرزو کا پورا ہو جانا آرزو کی موت ہے۔ یاد رکھو کہ لطف کا حقیقی راز صرف خلش ہے، اور اگر یہ چیز ہم میں نہ ہو تو زندگی بیکار ہے اور پارۂ سنگ اور قلب انسانی میں کوئی فرق نہ رہے، اگر محبت کا نتیجہ مِل رہنا ہی سمجھ لیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ نتیجہ کے بعد کوئی مرحلہ طے کرنے کے لئے نہیں رہ جاتا، کیونکہ منزل پر پہونچ جانا قطع سفر ہے، اس لئے اگر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ محبوب سے مِل جانا محبت کی موت ہے کیونکہ اس سے بعد کوئی جذبہ ایسا باقی نہیں رہتا جس کے لئے دل بے چین ہو سکے اور تم اس کو سرمایۂ شعر قرار دے سکو۔ تمہیں دنیائے شاعری کے رموز سے مطلع کرنا غلطی ہے، کیا تمہیں خبر نہیں کہ کن شعراء نے عروج حاصل کیا اور کس دور کی شاعری، شاعری کہی جا سکتی ہے۔ حقیقی معنی میں شاعری کی روح اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب آرزوئیں یاس میں تبدیل ہونے لگتی ہیں اور تمنّائیں ناکامی میں، کیونکہ ہجر تو ایک بے پایاں چیز ہے اور اس کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں، برخلاف اس کے کامیابی دور کی وہ آخری حد ہے جہاں پہونچکر جذبات سمٹنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ فنا ہو جاتے ہیں، مجھے اگر تمہاری حیات شعری اس درجہ عزیز نہ ہوتی تو شاید میں مخالفت نہ کرتا۔ دیکھو، تمہارے سامنے دو چیزیں ہیں، ایک سکینہ جس کو تم اپنی بیوی بنانا چاہتے ہو اور دوسرے تمہارا ذوق شعری، اب تمہیں اختیار ہے چاہے اِس کو اختیار کرو چاہے اُس کو، یہ ناممکن ہے کہ دونوں باتیں تم حاصل کر سکو۔ فطرت ایسی فیاض نہیں۔ پھر اگر تم اس پر راضی ہو کہ اپنی لطافت خیال، پاکیزگی جذبات اور روحانیت کی قربانی، سکینہ کی صورت پر چڑھا دو، تو خوشی سے تم سکینہ سے شادی کر لو۔ لیکن اگر تمہیں ان ہدایائے فطرت کی قدر ہے تو نکاح کا خیال بالکل چھوڑ دو۔

دیکھو محمود! میں تم کو ایک نہایت باریک نکتہ بتاتا ہوں — انسانی محبت کی ابتدا کبھی حقیقی معنی میں محبت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ہمیشہ مبنی ہوتی ہے جذبات شہوانی پر، لیکن تم نے اسی کے ساتھ سُنا ہوگا کہ یہی جذبہ کبھی حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے یعنی یہ مادّی محبت روحانیت اختیار کر لیتی ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب محبت ناکام و نامراد ہو، کبھی تم نے نہ سُنا ہوگا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو پاکر جذبات محبت کو قائم رکھ سکا ہو اور اس نے کوئی ترقی کی ہو۔

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم طلوع و غروب کے مناظر دیکھو اور اُن میں کھو جاؤ تم ایک پھول کو شاخ پر جھومتا ہوا دیکھو اور کائنات کو فراموش کر دو، تم ایک خشک پتی کو دیکھو اور خزاں کی ساری کیفیات اپنے اوپر طاری کر لو، تم ایک سبز گھاس کا تنکا دیکھو اور بہار کے تمام اثرات اپنی روح میں منتقل کر لو۔ تم پانی کو دیکھو اور تڑپ جاؤ، چاند کو دیکھو اور بے قرار ہو جاؤ — میں نے اپنے حلقۂ احباب میں صرف تمہیں کو اس کا اہل سمجھا تھا، لیکن افسوس ہے کہ تم ہی مجھے مایوس کر رہے ہو اور پھر کہتے ہو کہ میں بھی اس حماقت میں تمہارا شریک ہوں۔ اس سے قبل تمہاری کوششوں کو میں دیکھ رہا تھا لیکن سمجھتا تھا کہ شاید تم کامیاب نہ ہو اور کامیاب ہوئے بھی تو یہ سمجھتا تھا کہ یقیناً جب کبھی تنہائی میں اس مسئلہ پر غور کرو گے تو خود اس خیال کو ترک کر دو گے، لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا اور بد قسمتی سے تمہاری کوشش بھی کامیاب ہو گئی اور تم نے خود بھی کبھی اس پر غور نہیں کیا، اس لئے اب معاملہ اس حد سے گزر گیا ہے کہ میں خاموش رہوں اور اب میں مجبور ہوں کہ تم سے ایک آخری فیصلہ سن لوں، اگر تم شادی کرنے پر آمادہ ہو اور اس سے باز نہیں آسکتے

تو صاف صاف کہہ دو تاکہ میں اپنی توقعات تمہاری طرف سے اُٹھا لوں۔"

محمود:۔ "میں پوچھتا ہوں کہ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں شادی سے انکار کروں؟"

شہاب:۔ "بالکل اسی طرح جس طرح تم نے اقرار کیا ہے، اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ دنیا کیا کہے گی تو اور بھی زیادہ افسوس کی بات ہے کہ سکینہ کے چھوڑنے پر تو راضی ہو لیکن زمانہ کا طعن نہیں سن سکتے، یاد رکھو زمانہ سے زیادہ خود غرض کوئی نہیں وہ ہمیشہ اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے نہایت بیدردی سے دوسروں کو قربان کر دیتا ہے اور اگر تمہیں ایسا ہی خیال ہے تو بھی صرف دو چار روز کی تکلیف و اذیت ہے اس کے بعد کوئی ذکر بھی نہ کرے گا، کہ محمود کون تھا اور اُس نے کیا کیا؟ حیرت ہے کہ تم اس وقت کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔"

محمود:۔ "ہاں شہاب سچ ہے، میں بچوں کی سی باتیں کر رہا ہوں اور اسوقت تم سے زیادہ دانا حکیم و فیلسوف کوئی نہیں، لیکن میں تمہیں اپنا دل کس طرح دکھاؤں کہ اس کا کیا حال ہے، اس خیال سے کہ میں خود سکینہ کو چھوڑ دوں، میرا دل کانپ اٹھتا ہے، تم کو نہیں معلوم کہ اُسے کس قدر صدمہ پہونچے گا، اور شاید وہ زندہ نہ رہ سکے گی اس لئے اگر میں اس سے شادی کر کے اپنے جذبات، اپنی حیات شعری اور ذہنی وجود کی قربانی کر دوں گا تو دوسری صورت میں گویا میں اس پر راضی ہوں گا کہ سکینہ کو اپنی شاعری پر قربان کر دوں، کیا اس سے زیادہ خود غرضی کوئی اور ہو سکتی ہے کہ اپنے فائدہ پر دوسرے کو قربان کر دوں اور وہ دوسرا بھی کون؟ سکینہ سکینہ سا محبت کرنے والا، خدا کے لئے شہاب خاموش ہو جاؤ اور مجھے اسوقت

اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

شہاب :۔ "دیکھو محمود۔ اگر تم سکینہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو میں تمہیں مجبور نہ نہیں کرتا، اس میں میرے بددل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، یہ آخر تم روئے کیوں دیتے ہو، مجھے اس سے زیادہ نفرت کسی امر سے نہیں کہ ایک شخص کوئی عزم و ارادہ نہ رکھے میں اس شخص کو بہت اچھا سمجھتا ہوں جو بڑی سی بڑی معصیت کرے لیکن مردانہ عزم کے ساتھ اور اچھے سے اچھے کام کرنے والا میرے نزدیک بدترین شخص ہے، اگر اس میں کوئی عزم و استقلال نہیں ہے' اگر تم نے میرے کہنے سے یہ ارادہ بھی کر لیا کہ شادی نہ کرو گے تو میں کبھی خوش نہیں ہونگا' میں تو چاہتا ہوں تم خود غور کرو اور خود کوئی فیصلہ کرو، ارادہ کی مضبوطی کے ساتھ کسی کے کہنے سے نہیں، خود سمجھ کے کسی سمجھانے سے نہیں۔"

محمود :۔ "میں سمجھتا ہوں جو کچھ تم کہتے ہو' لیکن سوال یہ ہے کہ اگر میں نے انکار کر دیا تو پھر سکینہ کیا کرے گی' یقیناً وہ یوں ہی گھر میں تو بیٹھی نہ رہے گی' اور پھر تمہیں اندازہ کرو کہ اس پر کیا گزر جائے گی؟"

شہاب :۔ "معقول۔ کیا جس طرح تم کوئی عزم کر سکتے ہو عورت نہیں کر سکتی؟ کیا نکاح کوئی زبردستی کا سودا ہے کہ خواہ مخواہ سکینہ کو ماننا ہی پڑے گا، تم کیوں نہ یقین کرو کہ وہ بھی ہمیشہ ویسی ہی زندگی بسر کریگی جیسی تم۔"

محمود :۔ "بھلا یہ کیونکر ممکن ہے، وہ کس طرح والدین کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر سکتی ہے' اس کی حیا کیونکر اجازت دے سکتی ہے کہ وہ صاف صاف انکار کر کے اپنے آپ کو تمام زمانہ میں رسوا کر دے۔"

شہاب :- اگر سکینہ پر تمہارا اتنا بھی اثر نہیں ہے تو پھر کیوں اس قدر بیقرار ہو، علاوہ اس کے یہ بھی مان لو کہ سکینہ کی شادی کسی دوسرے سے ہو جائے گی اور وہ انکار نہیں کر سکتی تو بھی کوئی حرج نہیں، ہو جانے دو۔ محبت و نکاح دو مختلف چیزیں ہیں، نکاح کا تعلق محبت سے بالکل نہیں ہے صرف معاشرت سے ہے۔ اس لئے وہ معاشرتاً کسی دوسرے کی ہو سکتی ہے، لیکن روحانی لحاظ سے وہ تمہاری ہے اور ہمیشہ تمہاری رہے گی اور یہی تمہارا مقصد ہے :-

۲

حُسن کی وہ نیرنگیاں، جو صرف بمبئی میں نظر آ سکتی ہیں، شام کی اُن دلفریبیوں سے مل کر جنہیں صرف اپالو ہی پیش کر سکتا ہے، پورے عروج کے ساتھ جاذب قلب و نگاہ ہیں وضع و ملبوس کی وہ اختراعات جمیلہ جو ترقی تمدن کے برکات میں شمار کئے جاتے ہیں، چاروں طرف بکھرے ہوئے نظر آرہے ہیں، رعنائی اور بانکپن کی وہ دلدوز ادائیں جنہیں صرف ارتقائے علم و مدنیت ہی سکھا سکتا ہے، ساحل کے ذرہ ذرہ سے نمودار ہیں۔

شہاب نے ارادہ کر لیا تھا کہ آج وہ ایک ایک گزرنے والی عورت کو غور سے دیکھ کر یہ معلوم کرے گا کہ ساریوں کے کتنے رنگ، آرایش گیسو کے کتنے انداز اور حُسن کی بے حجابیوں کی کتنی صورتیں دنیا میں ہو سکتی ہیں اور ان کا مقصود کیا ہے ـــ وہ ایک جگہ خاموش بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا اور محمود بھی اس کے پاس ہی موجود تھا۔

شہاب: (چونک کر) یہ ایک دن کا کام نہیں، مسلسل ہفتوں مطالعہ کی ضرورت ہے، تاہم میں ایک ہی دن میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس عہد کی عورت نہ کسی سے محبت کر سکتی ہے اور نہ اُسے کسی دوسرے کی محبت کی قدر ہو سکتی ہے۔

محمود: (تعجب سے) صرف صورت و وضع کو دیکھ کر یہ نتیجہ کیونکر نکالا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ۔

شہاب: اگر صورت میں کوئی بات ایسی نہ ہوتی جس سے دل کا حال معلوم ہو سکتا تو یقیناً انسان کا دل اُس کی پیشانی پر قائم کیا جاتا اور وہ بھی خصوصیت کے ساتھ عورت کا دل، کہ اگر بغیر اس کا مطالعہ کیئے ہوئے کوئی شخص اپنے آپ کو اسے سونپ دے تو کہیں کا نہ رہے۔

محمود: ممکن ہے تم صرف صورت دیکھ کر سب کچھ سمجھ سکو، لیکن کم از کم میں تو بالکل قاصر ہوں۔

شہاب: یاد رکھو جو عورت جس قدر زیادہ حسین نظر آنے کی کوشش کرتی ہے اُسی قدر اس کا باطن خراب و کریہہ ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو کشاں کشاں ان عورتوں کو مردوں کی حریص نگاہوں کے ہجوم میں ساحل اپالو پر لے آئی ہے یقیناً اُن کی آرائش، اُن کی جامہ زیبیاں، ان کی بے حجابیاں اور خوش ادائیاں متمنی ہیں کہ مرد کی جو نگاہ ان پر پڑے وہ ملتجی ہو، مترحم ہو —— پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بیوقوف مرد نے کیوں یہ پندار عورت کے دل میں پیدا کر دیا ہے —— یاد رکھو کہ یہ زرق برق ریشمی ساریاں صرف اس لئے استعمال

کی جاتی ہیں کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ ان کے اندر ریشم سے زیادہ نرم بدن چھپا ہوا ہے' اور پھر ایک مقصود یہ بھی ہے کہ ساری کا ریشمی پلو گھڑی گھڑی سرک جایا کرے اور وہ اپنے کافور سینہ وبلور شانہ کی شفاف جھلک دکھا کر بار بار پھر اسے سنبھال لیا کریں اور اپنے گورے گورے ہاتھوں کو بھی کہنیوں تک دکھاسکیں؛

شاید تمہیں معلوم نہ ہوگا کہ جتنی عورتیں اس وقت زیبائش ورعنائی کی پیکر مجسّم نظر آتی ہیں' اپنے گھروں میں جہاں صرف اُن کا شوہر دیکھنے والا ہوتا ہے' نہ وہ لباس کا اتنا اہتمام کرتی ہیں اور نہ اسقدر آرایش وزیبائش کا، لیکن اُدھر آفتاب ڈھلنا شروع ہوا اور اِدھر اُنہوں نے اپنے لباسوں کا جائزہ لینا شروع کیا کہ آج کس رنگ کی ساڑی منتخب کی جائے' آئینہ سے مشورہ ہونے لگا کہ آج کس طرح بالوں کو سنوارا جائے۔

یہ صبح وشام اپنے صحیح فرائض زندگی کو بھول کر گھنٹوں تک سنورنے والیاں' یہ اپنے بیباک تبسّموں' اپنی دلیر نگاہوں اور اپنی جری وشوخ چتونوں سے دُنیا کو مالوف کر لینے کی آرزو رکھتے ہوئے خود کسی سے محبت نہ کرسکنے والیاں۔ یاد رکھو کہ ان کے تبسّم میں زہر ہے' ان کی نگاہیں سم آلود ہیں اور یہ وہ ناگنیں ہیں جن کو دنیا کے تمدن وتہذیب نے عالم میں صرف ہلاکت پھیلانے کے لئے چاروں طرف منتشر کر رکھا ہے۔ اگر ان کے بالوں کے گھونگھر مٹا دیئے جائیں اور اُن کی پیشانی پر بل کھانے والی زلفوں کی مصنوعی اداؤں کو محو کر دیا جائے' اگر اُن کی نظر فریب ساریوں کا رنگ چھین لیا جائے' اگر اُن کی

چال کی نزاکتوں کو دور کر دیا جائے، اگر گلے کے اس لوچ کو جس کی مدد سے وہ قصداً اپنی آواز کو نرم و باریک بنا لیتی ہیں، الگ کر دیا جائے، اگر ان کے لباس کی مخصوص تراش کو جس کی وجہ سے اُن کا سینہ خواہ مخواہ خدا جانے کیا نظر آنے لگتا ہے ممنوع قرار دیدیا جائے، اگر ان کی کمر سے پیٹیاں جدا کر کے وہاں کے اعصاب کو پوری آزادی کے ساتھ پھیلنے کی اجازت دیدی جائے تو شاید محمود تم ایسے حریص مرد کی نگاہ بھی اُن پر نہ پڑے — حیرت ہے کہ جب اکثر عورتیں صرف عورت ہونے کے لحاظ سے کچھ نہیں، جب اُن کا حُسن محض حُسن ہونے کی حیثیت سے زیادہ قابل لحاظ نہیں تو پھر عالم میں کیوں ہر جگہ ہر وقت ہنگامہ حُسن و عشق برپا ہے اور کیوں مرد اپنے تئیں اُن چیزوں کے لئے تباہ و برباد کر دیتا ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی توجہ کی مستحق نہیں اور جو خود ہمارے ذہن و عقل کی فریب کاریاں ہیں — تم کو یاد ہو گا کہ میں نے ہمیشہ مرد کو بیوقوف اور عورت کو ذہین کہا — اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت اپنے فریب میں بھی ایک حُسن پیدا کر کے مرد کو مسحور کر لیتی ہے اور مرد، یہ احمق و ناعاقبت اندیش مرد، فریب کو فریب جان کر بھی اُس کی پذیرائی کر لیتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔

دُنیا جس چیز کو حُسن سمجھتی ہے وہ اکثر و بیشتر صرف ملمع ہے اور محبت ریاکاری — ہم میں کم ایسے ہیں جو حُسن کو جسارت و فریب سے جُدا کر سکیں اور محبت کو نمود و تصنع سے۔

محمود" میں دیکھتا ہوں کہ تم حُسن کے ساتھ محبت کی طرف سے بھی بیزار ہو اور ہونا ہی چاہئے کیونکہ محبت نام ہے احساس حُسن کا اور تم اُس سے

بالکل ناآشنا ہو۔"

شہاب :۔ ناآشنا نہیں بلکہ بیزار کیونکہ وہ ہادم انسانیت ہے اور دوستی کا وجود جو میرے نزدیک بہترین جذبۂ انسانی ہے، اس نے ختم کر دیا ہے یہاں تک کہ اگر آج میں لفظ محبت کے مفروضہ مفہوم سے تنگ آکر اپنے کسی رفیق سے یہ کہہ دوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے، دوستی ہے تو وہ برہم ہو جائیگا ممکن ہے کہ کسی کے ساتھ میری محبت (ویسی ہی محبت جیسی آج کل رائج ہے) دوستی کی حد تک پہونچ جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ جس وقت تک میں صرف محبت کا مدعی ہوں، اس محبت سے خود غرضی اور مکر و فریب کو جدا کر سکوں، یا در کھو کہ محبت کا قیام صرف سطحی ہیجان پر قائم ہے، چنانچہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ فقدان ہیجان فقدان محبت کا باعث ہو گیا اور بہت کم ایسی مثالیں نظر آتی ہیں کہ محبت دوستی میں تبدیل ہو جائے۔ کیونکہ دور خلوص و صداقت شروع ہونے سے پہلے ہی ہماری خواہشیں مردہ اور ہمارے ولولے افسردہ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ تم کہو گے کہ محبت میں انسان کیسی کیسی قربانیاں کر دیتا ہے، کیسا کیسا جبر اپنے نفس پر کرتا ہے، میں کہونگا کہ یہ خود غرضی ہے، تم ایک حسین صورت کے لئے کبھی تباہ نہیں ہوتے بلکہ خواہش جوانی پر برباد ہوتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تباہیاں محبت سے پیدا ہوتی ہیں، دوستی سے نہیں، محبت ہماری بصارت سلب کرتی ہے اور دوستی ہمارے ذہن کو روشنی بخشتی ہے، وہ دعوت خسران ہے اور یہ کسب فیضان، لیکن میرا مقصد محبت سے وہ محبت ہے جو آج کل کی جاتی ہے، ورنہ محبت و دوستی ایک چیز ہے۔ میں نے یہ تفریق قصداً کی ہے

تاکہ صحیح و غلط، کذب و صداقت کا فرق ظاہر کر سکوں۔ مگر میں تمہیں لفظ دوستی کے بار بار اعادہ سے تکلیف نہ پہونچاؤں گا، کیونکہ تم اس معاملہ میں مجھ سے سخت اختلاف رکھتے ہو۔ میں اس کی جگہ بھی محبت ہی کا لفظ استعمال کرونگا، مگر ہوگا وہ اسی مفہوم میں جو میں نے دوستی کا قرار دیا ہے اور جس کو آج کل ...."

محمود (بات کاٹ کر) دیکھو شہاب وہ آرہی ہے .... تھیٹر کی مشہور ایکٹرس جس نے ساری بمبئی کو مبہوت و متحیر بنا رکھا ہے، میں نے تم سے کئی بار کہا کہ چلو ذرا کسی دن دیکھیں تو سہی کہ اس کے نغمہ و رقص میں کیا خاص بات ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ وہ حُسن و جمال کے علاوہ اپنے فن کی بھی بڑی ماہر ہے، کیا آج چلوگے ؟"

شہاب کچھ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک چھریرے بدن کی عورت نہایت سادہ باریک ململ کی سپید ساری میں اپنی کشیدہ قامتی کی رعنائیوں کو لیتے ہوئے خراماں خراماں محمود و شہاب کے پاس سے گزری اور قریب کی ایک بنچ پر آکر بیٹھ گئی۔

اختر سترہ اٹھارہ سال کی ایک نوجوان لڑکی تھی اور اس کا رنگ کچھ سانولا سا تھا۔ یہ رنگ جوانی میں یوں ہی حد درجہ دلفریب و دلکش ہوتا ہے لیکن اختر کے رنگ کی یہ خصوصیت بڑی عجیب و غریب تھی کہ جس قدر زیادہ غور سے اسے دیکھا جاتا اتنا ہی وہ کھلتا ہوا نظر آتا، اور ایسا معلوم ہوتا کہ اس میں بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہیں، اس کا جسم اس قدر نازک تھا کہ بعض

دفعہ تو یہ اندیشہ ہوتا کہ اگر وہ ساحل پر کھڑی ہو گئی اور ہوا تیز چلنے لگی تو شاید اُڑ کر سمندر میں گر جائے گی۔

جس وقت وہ یہاں آئی تو اپنی اُڑنے والی ساری کے آنچل کو سنبھالتی تھی اور لچک لچک جاتی تھی، شاید وہ خود ڈرتی تھی کہ مبادا اس کے قدم زمین سے اُکھڑ جائیں اور اس لئے وہ فوراً سب سے پہلی خالی نشست پر بیٹھ گئی۔

اس کا چہرہ اس یونانی قطع کا تھا جو صرف وینس ہی کے مجسمہ کے لئے موزوں ہو سکتا تھا، اس کی آنکھوں میں ایسی مقناطیسی شراب جھلکتی تھی کہ جس وقت وہ نگاہ اُٹھا کر کسی کو دیکھتی تو معلوم ہوتا کہ اسے کھینچ کر جدھر چاہے اُدھر اُٹھا کر پھینک دے گی، اس کی گھنی پلکیں اس قدر لانبی تھیں کہ پوری آنکھ کھل جانے کے بعد بھی وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتی تھیں اور اس طرح ملی رہتی تھیں، جیسے در نازک پر ایک خاص نرمی سے باہم متصل رہیں، اس کی پیشانی کی فراخی کا صحیح اندازہ نہ ہو سکتا تھا کیونکہ بل کھائی زلفوں کے چھلوں نے اس کی وسعت کو چھپا رکھا تھا، اس کے خدوخال اور اُس کے انداز سے وہ متانت و سنجیدگی پیدا تھی جو اُسے عام سطح نسائی سے بہت بلند ظاہر کر رہی تھی، اس کے چہرے سے ایک نمایاں غور، ایک کھلا ہوا تامل ٹپکتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ذکاوت حس اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اس وقت کائنات کے ہر ہر ذرہ کی جنبش اپنے دل میں لئے ہوئے متاثر ہو رہی ہے، وہ اس وقت اسی رعنائی، اسی بانکپن، اسی شاہانہ متانت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ ہوا کے ایک تیز و شریر جھونکے نے بالوں کے حلقوں کو

پیشانی سے جدا کر دیا اور اس نے اپنے فیروزی رنگ کے ریشمی رومال میں پسینہ کے ننھے ننھے موتیوں کو جمع کرتے ہوئے گردن میں ایک غیر محسوس خم پیدا کر کے کن انکھیوں سے شہاب و محمود کو دیکھ لیا اور پھر اپنے دلہنے ہاتھ کو اُلٹ کر اس پر بایاں رخسار رکھ لیا اور سمندر کی موجوں کو دیکھنے لگی۔

اس منظر میں، اس وقت اختر کی یہ سب سے پہلی نیم نگاہی تھی جو شہاب و محمود پر صرف کی گئی اور کون کہہ سکتا ہے کہ بیکار گئی۔

ساحل اپالو پر اس وقت اک ہنگامہ بپا تھا، سیکڑوں مرد سیکڑوں عورتیں اور اتنے ہی اُن کے مختلف مشاغل تفریح۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں اپنے عریض و طویل بادبانوں کے ساتھ بہتی چلی جا رہی تھیں، بڑے بڑے جہاز سمندر کی ہر سانس کے ساتھ متحرک نظر آرہے تھے۔ تبسموں کی روشنی اور ہلکے ہلکے قہقہوں کی آواز سے فضا میں ایک درخشاں موسیقی دوڑ رہی تھی۔

وہ ہلکی ہلکی ریشم کی ساریاں اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے ان کے زرکار پلو، وہ صدف آسا کانوں میں رنگین رخساروں سے چھو چھو کر کانپ کانپ اُٹھنے والے آویزے اور اُن آویزوں کے تابندہ الماس، وہ پیشانیوں پر نا قابل شمار اداؤں سے گیسو کی آرائشیں اور اُن آرائشوں کی وہ مبہوت و دیوانہ بنانے والی نکہت باریاں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج یہ قطعۂ زمین پر لگا کر اُڑ جائے گا۔ شہاب کو اس منظر نے بالکل بے قابو کر دیا اور ایک جوش کے ساتھ محمود سے بولا:-

"دیکھتے ہو محمود، یہ رونق تہذیب، یہ ہنگامۂ علم اور تمہارے نقطۂ نظر

سے یہ طوفان حسن و شباب، کیا بتاؤں اگر ایک لمحہ کے لئے میں خدا ہو جاتا تو اس منظر کو اسی حال میں اسی ہنگامہ اور انہیں رنگینیوں کے ساتھ قائم و منجمد کر دیتا اور صرف تمہارے لئے تاکہ تم ان عورتوں میں ہر ایک سے محبت کر سکو۔"

محمود۔" اگر میری دعا قبول ہوتی تو میں تمہارے اس لمحۂ الوہیت گزر جانے کے بعد خدا سے التجا کرتا کہ الٰہی شہاب کو انہیں میں سے کسی پیکر سنگین کی محبت میں اتنا مبتلا کر دے کہ وہ دیوانہ وار اس پتھر کی مورت کے سامنے جبیں سائی کرے، فریاد کرے اور کوئی سننے والا نہ ہو، وہ محبت سے چیخ چیخ اٹھے اور کسی کو خبر نہ ہو، وہ رو رو کر طوفان برپا کرے لیکن کوئی اس کے آنسوؤں کا پونچھنے والا نہ ہو، تاکہ میں اس وقت اس سے کہہ سکوں کہ شہاب حسن کو صرف حسن کے لحاظ سے چاہو، محبت کو صرف محبت کی نگاہ سے دیکھو یہ بیقراری کیوں ہے، یہ اضطراب کس لئے؟ تمہارا ذوق نظر پورا ہو رہا ہے، تمہاری نگاہیں اچھی طرح آسودہ ہو رہی ہیں، پھر اور تمہیں کیا چاہئے، سچ بتاؤ شہاب کیا ہو اگر واقعی تمہیں کسی مجسمہ یا تصویر سے عشق ہو جائے، کم از کم مجھے تو بڑا لطف آئے۔"

شہاب۔" افسوس ہے کہ جس طرح میں خدا نہیں ہو سکتا اسی طرح تمہاری دعا بھی کبھی قبول نہیں ہو سکتی، لیکن اگر کبھی ایسا ہو بھی جائے اور میرا مقصود محبت تمہاری طرح صرف مواصلت ہی قرار پائے تو میں یقیناً اس کو محبت نہ کہوں گا۔ میں نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں جذبات شہوانی سے

معترا ہوں لیکن فرق یہ ہے کہ میں ایسے جذبات کو وہی کہتا اور سمجھتا ہوں جو وہ ہیں اور تم اُن کا نام محبّت رکھتے ہو۔"

محمود:- بہرحال تمہاری انشا میں محبّت ایک عنقائے مغرب کا نام ہے اور اس کا کہیں وجود نہیں' یا یوں کہو کہ اگر محبّت میں موت آ جائے تو وہ محبّت ہے اور اگر محبوب تک رسائی ہو جائے تو وہ محبّت نہیں ہے' بوالہوسی ہے، خود غرضی ہے، مکر ہے، فریب ہے۔"

شہاب:- "افسوس ہے تمہیں اب تک یہی خبر نہیں کہ محبّت کب کامیاب کہلائے جانے کی مستحق ہے اور کب ناکام۔ محبّت کا تعلق انسان کی زیست و حیات سے نہیں ہے' بلکہ خود اس کے جذبات پرستش سے ہے۔ اگر ایک شخص شدائد محبّت برداشت نہ کر کے جان دیدے تو میں کبھی نہ کہوں گا کہ اُس نے بڑا کام کیا' یا اُس کی محبّت کامیاب تھی' لیکن اگر کوئی شخص اپنے محبوب سے مل جانے کے بعد بھی محبوب و محبّت کا وہی احترام و ادب قائم رکھے جو ہونا چاہئے تو میں کہوں گا کہ وہ محبّت کے مفہوم اور اُس کی نزاکتوں سے آشنا ہے' اور ہاں تم نے یہ کیا کہا کہ "میرے نزدیک اگر کوئی جان دیدے تو محبّت ہے اور اگر کوئی شخص اپنے محبوب سے مل جائے تو محبّت ناقص ہے۔" تمہیں یہی نہیں معلوم کہ محبّت میں جان دیدینے کا وقت تو وہی ہوتا ہے' جب محبّت کامیاب ہو' کیا محبوب کے لطف و کرم سے زیادہ ہلاک کر دینے والی چیز کوئی اور ہو سکتی ہے' میں اعتراف کرتا ہوں کہ محبّت کا ذوق مجھے حاصل نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر کبھی مجھے کسی سے محبّت ہو گئی تو میں

پناہ مانگوں گا اُس وقت سے جب میرا محبوب مجھ سے محبت کرنے لگے میرے نزدیک رحم و لطف سے زیادہ شدید ظلم محبت کے معاملہ میں اور کوئی نہیں۔"

اختر جو شروع سے اس وقت تک دونوں کی گفتگو میں رہی تھی، اب بھی خاموش تھی، ساکت تھی لیکن اب اس کی نگاہیں سمندر کی موجوں کا مطالعہ نہیں کر رہی تھیں، بلکہ جھکی ہوئی کچھ سوچ رہی تھیں، اس نے ساری کا آنچل کھینچ کر محمود و شہاب کی طرف سے اوٹ کر لی تھی تاکہ اس کی صورت دیکھ کر کوئی شخص اس کے جذبات نہ پڑھ سکے۔ لیکن شہاب اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اختر کیا سوچ رہی ہے اور اس کا دل کن جذبات سے لبریز ہے، اس نے ایک لمحہ سکوت کرنے کے بعد محمود سے کہا:۔

"خیر اِس ذکر کو چھوڑو، یہ اختلاف مٹ نہیں سکتا جب تک دنیا میں عورت کا وجود باقی ہے اور نہ اپنی دعائیں میرے لئے بیکار صرف کرو کیونکہ میرے نزدیک دنیا میں ہر عورت اس قابل ہے کہ اُس سے محبت کی جائے اور کوئی نہیں، وہ اس لحاظ سے کہ مرد کو اس کی ضرورت ہے اور یہ اس حیثیت سے کہ یہ ضرورت عارضی ہے۔

ہاں تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تھیٹر چلو گے یا نہیں، اُس وقت میں خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن اب پوچھتا ہوں کہ لوگ وہاں کیوں جاتے ہیں، اگر اس سے مقصود لہو و لعب ہے تو لغو حرکت ہے اور اگر اس سے مدعا فطرتِ انسانی کی مختلف حالتوں کا مطالعہ کرنا ہے تو حماقت، کیونکہ تھیٹر سے زیادہ غیر حقیقی جذبات و مناظر پیش کرنے کی جگہ اور کوئی نہیں، اس سے زیادہ ظلم

فطرت پر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی عورت کو روز اک نئے مرد کی محبوبہ بننا پڑتا ہے، حالانکہ وہ شاید اُن میں سے کسی کو بھی نہیں یا کسی ایک کو چاہتی ہو گی اور اگر اس کو مطلقاً کسی سے اُلفت ہی نہیں تو وہ جذبات محبت کیا خاک سمجھے گی۔"

محمود۔ "نہیں یہ مقصد نہیں کیونکہ ایک حد تک میں خود اس کو پسند نہیں کرتا لیکن ...."

شہاب (اس جملہ کو پورا کرتے ہوئے) "یہ چاہتا ہوں کہ اختر کو دیکھوں اور غور کروں کہ وہ کیوں اس قدر مشہور ہے۔"

محمود۔ "ہاں اور کیا۔"

شہاب۔ "خیر چونکہ موسیقی سے تمہیں مناسبت ہے اور مجھے نقاشی و مصوری سے، اس لئے چلا چلوں گا تم اُن کا گانا سُننا اور میں اُس کی صورت دیکھوں گا۔"

اب کچھ دیر بعد اختر جو اس گفتگو کو سُن رہی تھی اپنی عرق آلود پیشانی پونچھتی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئی۔

(۳)

"محمود، کیا اب نہ آؤ گے، تم تو صرف ایک ہفتہ کے لئے کہہ گئے تھے اور آج پورے پندرہ دن ہو گئے، اگر تم کو جلد آنا نہ تھا تو مجھ سے کہہ جاتے کیا میں تمہیں روک دیتی، مجھے کیا اختیار تھا کہ کہتی "نہ جاؤ" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں آخر ایسا کیا کام ہے، صرف شہاب کے اصرار پر گئے تھے، تو کیا

جب تک وہ نہ آئیں گے تم بھی نہ آؤ گے۔ فرض کرو کہ وہ کبھی نہ آئیں، تو کیا تم بھی نہ آؤ گے، مجھے چھوڑ دو گے، مجھ سے کبھی نہ ملو گے؟ خدا جانے گھبرا کر کتنی بار ارادہ کیا کہ میں بھی آ جاؤں میں جانتی ہوں کہ نہیں جا سکتی، میں سمجھتی ہوں کہ تم تک نہیں پہونچ سکتی لیکن جی ہی چاہتا ہے۔ تمہاری تحریریں بھی اتنی مختصر ہوتی ہیں کہ اُن سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے تم اچھی طرح ہو اور شاید خوش، اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہاں کیا کر رہے ہو، اور کب تک وہاں ٹھہرنے کا قصد ہے، رات دن سیر و تفریح سے تمہارا جی بھی نہیں گھبراتا، مجھے بمبئی پر کیا کیا رشک ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارا دامن نہیں چھوڑتی، تم کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی دل میں خدا جانے کیا کیا وہم گزرتے ہیں، تمہارے نہ آنے سے عجیب عجیب وسواس پیدا ہوتے ہیں، لیکن خدا جانے مجھے کیوں تمہاری محبت کا اتنا یقین ہے کہ فوراً ہی تسکین بھی ہو جاتی ہے اور سمجھتی ہوں کہ تم اب آتے ہی ہو گے، تمہارا اب وہاں جی نہ لگتا ہو گا، محبت بھی کیسی خود غرض ہے کہ میں چاہتی ہوں تم وہاں پریشان ہو جاؤ۔ خدا کرے تم اس کے جواب میں مجھے یہ لکھو کہ فلاں تاریخ تک پہونچ رہا ہوں"

تمہاری سکینہ

جس وقت شہاب و محمود ساحل سے ہوٹل واپس آئے تو محمود کو یہ تحریر ملی جس کو اس نے پڑھا اور پڑھتے ہی ایک خاص خیال میں مستغرق ہو گیا، شہاب سمجھ گیا تھا کہ سکینہ کا خط ہے اور یہ معلوم کر لینے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ اس کا مضمون کیا ہو گا، کوئی ایسی مشکل بات نہ تھی، شہاب خود کبھی کسی سے

سوال کرنے کا عادی نہ تھا اور جب تک دوسرا اس سے کوئی بات نہ کرتا وہ اپنی طرف سے گفتگو کی ابتدا بہت کم کرتا، اس لئے اس نے کپڑے اتارنے کے بعد میز کے قریب کرسی گھسیٹ لی اور ایک انگریزی رسالہ جسے وہ بازار سے واپسی میں لیتا آیا تھا کھول کر دیکھنے لگا۔

اس کی عادت تھی کہ وہ تصویریں دیکھ کر رسائل کو پسند کرتا اور فرصت میں سب سے پہلے وہ انہیں تصاویر کو ایک ایک کر کے دیکھتا اور کوشش کرتا کہ بغیر مطالعۂ مضمون کے محض تصویر کا اندازہ دیکھ کر سمجھ لے کہ کس محل کی تصویر ہے اور کن جذبات سے متعلق ہے۔ اس نے برقی شمع کے سامنے جو اس کے روبرو میز پر ایک سبز ریشمی فانوس کے اندر قائم تھی، سب سے پہلا صفحہ رسالہ کا کھولا اور اس میں بالکل کھو گیا۔

"........... ایک دریا اپنے پورے لوچ کے ساتھ جاری ہے اور سوا ایک سلسلۂ کوہ کے جو ایک ساحل سے شروع ہوتا ہے اور اس وسیع ریگستان کے جو دوسرے ساحل کی ابتدا ہے اور کوئی چیز اس منظر کی دلکش وحشت اور پُرسکون ویرانی میں حائل نہیں۔ چاند پہاڑی کی چوٹی سے بلند ہو کر اپنی چادر سیمیں پھیلا چکا ہے جس میں پانی کی موجیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ چادر کی شکنیں ہیں جن کو ہوا دور کرنا چاہتی ہے لیکن بجائے مٹنے کے وہ اور زیادہ بڑھتی جاتی ہیں۔ دریا میں ہچکولے کھا کھا کر نیلوفر کے پھول کنارے آ لگے ہیں اور چکورا اپنے پر پھیلائے ہوئے بیتابانہ چاند کی طرف

پرواز بلند کرتا جا رہا ہے۔ فطرت کے اس اچھوتے خلوت کدہ میں قدرت کی اس سادہ خوابگاہ میں ریگستان پر تین جوان لڑکیاں شانہ و سر کھولے کھڑی ہیں اُن کے ملبوس کا دامن ہوا میں اُڑ رہا ہے اور اُن کے لانبے لانبے بالوں کے سیاہ پرچموں سے چاندنی ہوا کے ساتھ ساتھ مل مل کر کھیل رہی ہے، اسی وقت تنہا کیوپڈ اپنا تیر و کمان سنبھالے ہوئے سامنے سے نظر آتا ہے جس کو دیکھ کر لڑکیاں سہم جاتی ہیں۔ باہم ایک دوسرے سے خوف زدہ ہو کر لپٹ جاتی ہیں اور کیوپڈ ایک خاص شاہانہ انداز سے پوچھتا ہے کہ:۔

"اس سرزمین عشق و محبت میں کون اس وقت گستاخانہ پھر رہا ہے"

یہ تھا تصویر کا منظر جس کو دیکھ کر شہاب خدا جانے کس عالم میں پہونچ گیا اور وہ بالکل بھول گیا کہ محمود ہے بھی یا نہیں اور ہے تو کس حال میں، وہ اتنی دیر اپنے خیال میں مستغرق رہا کہ آخر کار محمود کو اُس سے پوچھنا پڑا کہ "شہاب کیا دیکھ رہے ہو"

شہاب نے چونک کر فوراً کتاب بند کر دی اور پھر کچھ سوچنے لگا، اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، اس کے چہرہ کا ایک خاص رنگ تھا اور معلوم ہوتا تھا اس پر کوئی غیر معمولی کیف طاری ہے، تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد محمود اپنی جگہ سے اُٹھا اور ارادہ کیا کہ شہاب کے سامنے سے رسالہ اُٹھا کر خود دیکھے لیکن شہاب نے اُسے روک دیا اور بولا:۔

"محمود تم اس وقت دیکھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ ممکن ہے فطرت تم سے برہم ہو جائے۔"

محمود: "کیوں کیا تم نے مجھے اس قدر گستاخ سمجھ لیا ہے۔ میں اور فطرت کی توہین کروں، میری طرف سے یہ اندیشہ تمہارے دل میں کیوں پیدا ہوا۔"

شہاب: "جس وقت انسان دل کی کیفیات سے مغلوب ہو، اس وقت تنزیہی مطالعہ سے سروکار رکھنا غلطی ہے۔ کیونکہ اس وقت قلب ہمیشہ روح پر چھا جاتا ہے اور روح مضمحل ہو جاتی ہے۔"

محمود: "تو کیا قلب و روح الگ الگ دو ایسی چیزیں ہیں جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، میں تو ایسا نہیں سمجھتا، میرے نزدیک حسیات قلب کا حد سے بڑھ جانا عین روحانیت ہے اور اس لئے اگر کوئی شخص تاثرات سے مغلوب ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس پر جذبۂ روحانی طاری ہے اور پھر اگر یہ تسلیم بھی کر لوں کہ میں اس وقت دل کے تاثرات سے مغلوب ہوں تو میں زیادہ مستحق دیکھنے کا ہوں نہ کہ تم جس کے سینہ میں قدرت دل رکھنا شاید بھول ہی گئی ہے۔"

شہاب: "یہ تم نے بالکل صحیح کہا کہ قدرت نے میرے سینہ میں دل رکھا ہی نہیں اور شاید یہی سبب ہے کہ جو جذبات میرے اندر پیدا ہوتے ہیں وہ تمہارے جذبات سے بالکل جدا ہیں اور میں زیادہ سمجھ سکتا ہوں کہ روح کیا چیز ہے اس کی بیتابیاں کیا، جس کو اگر تم جانتے بھی ہو تو (اپنے قول کے مطابق) طرف قلب کے ذریعہ سے حالانکہ میری روح براہ راست مجھ سے گفتگو کرتی ہے۔"

محمود:۔ جب تم تاثرات قلب سے آگاہ نہیں تو تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ جذبات قلب و روح میں اختلاف ہے"

شہاب:۔ اس لئے کہ قلب و روح دو جدا جدا چیزیں ہیں، وہ لوگ جو صرف قلب ہی کو روح سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں"

محمود:۔ کیا کہوں شہاب میرے بس کی بات نہیں ورنہ تمہیں کہیں محبت میں مبتلا کر دیتا اور پھر پوچھتا کہ کہیئے قلب کا کیا حال ہے، اس وقت روح پر کیا بن رہی ہے، تم کچھ کہتے اور میں تمہیں سمجھاتا کہ یہ تو قلب کا تاثر ہے، روح کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، تم بگڑتے اور میں خوش ہوتا، تم تڑپتے اور میں مسرور ہوتا، مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا، اس لئے سنتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ ہاں، بھئی آزاد ہو، خلش سے ناآشنا ہو، جس طرح چاہو، حکیم بن لو، فیلسوف ہو جاؤ، محبت کرنے کا سلیقہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ دل جب تک مبتلا نہیں ہے سب کچھ ہے لیکن جہاں مبتلا ہوا پھر وہ خود کچھ نہیں رہتا۔ یہ تو ساری ہوش کی باتیں ہیں کہ روح کیا ہے اور قلب کیا، اس کے تاثرات کیا ہیں اور اس کے کیا، وہ کب پیدا ہوتے ہیں اور یہ کس وقت، لیکن جہاں یہ ہوش جاتا رہا تو پھر یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ دل کہیں تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا تو اب وہ کہاں ہے، آہ! شہاب اگر کبھی تم محبت کرنے لگو تو خدا جانے کیا ہو جاؤ"

شہاب:۔ ہو کیا جاؤں، زیادہ سے زیادہ تم ہو جاؤں گا اور تمہیں میں خوب جانتا ہوں اس لئے سمجھ سکتا ہوں کہ محبت کرنے کے بعد انسان عقلمند نہیں رہتا"

محمود:۔ یہ سچ کہتے ہو کہ میں عقلمند نہیں ہوں اور نہ ہو سکتا ہوں، لیکن شاید یہ تمہیں سن کے حیرت ہو گی کہ میں اپنی بے وقوفی کو ہزار دانش و فراست کے عوض بھی دینا پسند نہیں کرتا اور اس پر خوش ہوں۔"

شہاب:۔ یہ صحیح ہے، آخر تکمیل حماقت کی کوئی آخری حد ہونا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو سرخیل عشاق کیونکر بنے۔"

محمود:۔ خیر اس بحث سے کیا فائدہ، یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت یہ کیسے معلوم کر لیا کہ میں اپنی کیفیات قلب سے مغلوب ہوں اور حسن فطرت کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکتا۔"

شہاب:۔ ایک عورت کی تحریر اکثر و بیشتر قلب ہی کو متاثر کرتی ہے اور سکینہ بھی شاید عورت ہی ہے۔"

محمود:۔ شاید کیا معنی یقیناً سکینہ عورت ہے، لیکن میں یہ کیونکر مان لوں کہ عورت کی تحریر صرف قلب ہی کو متاثر کرتی ہے اور روح کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر اسے تسلیم کر لوں تو بھی ممکن ہے کہ سکینہ اُن عورتوں میں نہ ہو۔"

شہاب:۔ (مسکرا کر) اس کا بار ثبوت تمہارے اوپر ہے کہ سکینہ اُن عورتوں میں نہیں ہے اور اس لئے جب تک یہ ثابت نہ کر دو گے میں تمہیں کتاب نہ دیکھنے دوں گا۔"

محمود:۔ بتاؤ میں کیونکر ثابت کر سکتا ہوں، کس طرح تم کو اس کا یقین دلا سکتا ہوں۔"

شہاب:۔ "خیر جانے دو، یہ بتاؤ کہ تم نے آج تھیٹر جانے کا قصد کیا تھا،

اور مجھے بھی مجبور کیا تھا، چلو گے یا نہیں ؟"

محمود :" بیشک "

شہاب (افسردہ ہوکر) "افسوس ہے کہ میں نے تم سے بالکل خلاف توقع جواب سُنا، اب اس سے زیادہ ثبوت مجھے اور کیا مل سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ سکینہ کی تحریر تمہارے جذباتِ روحانی میں تحریک پیدا کرتی ہے حالانکہ تاثر قلب کی صورت میں بھی کوئی شخص اُس سے جدا ہونا پسند نہ کرے گا، چہ جائیکہ تاثرات روحانی سے مغلوب ہونے کی حالت میں ؟"

محمود ۔ (ذرا پریشان ہوکر) "نہیں نے یہ کہا تھا کہ اس وقت میرا قلب متاثر ہو رہا ہے نہ روح کی کیفیات کا ذکر کیا تھا، خود تمہیں نے فرض کر لیا کہ صرف میرا قلب متاثر ہے، اس لئے کتاب نہ دیکھنے دی کہ وہ عالم روحانیت سے متعلق تھی اور پھر آپ ہی تھیٹر جانے کا سوال کرکے یہ سمجھ لیا کہ میرا قلب بھی متاثر نہیں، چلو یہی سہی، اب تو کتاب دیکھنے دو کیونکہ میں اس وقت تمہارے ہی خیال کے مطابق تاثرات قلبی سے بھی مغلوب نہیں ہوں ؟"

شہاب :" اب میں تمہیں اس لئے نہ دکھاؤں گا کہ جب سکینہ کی تحریر بھی تمہارے قلب کو متاثر نہ کر سکی تو تم ایسے کہاں کے سخی ہو کہ محض ایک تصویر کو اپنی روح میں سے کچھ دیدو گے ؟"

محمود :" دیکھو شہاب خدا کے لئے مجھ کو اتنا مجبور نہ کرو کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤں اور کسی دن تنگ آکر جان دیدوں، تمہارے اصرار سے میں یہاں صرف اس لئے آگیا تھا کہ شاید سکینہ کا خیال کچھ کم ہو جائے گا اور

اس طرح میں نکاح کو کچھ دنوں کے لئے ملتوی کرا کے غور کر سکوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے، میں نے یہاں آکر کوشش کی کہ اپنے جی کو سنبھالوں اور اس کی یاد سے بہلانے کی کوشش کروں، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اب تمہیں مجھے ملامت کرتے ہو اور برا سمجھتے ہو، آخر تم چاہتے کیا ہو؟

شہاب: "صرف ناکامی پر بیقراری اور کبھی کبھی اسی نوع کی برہمی وبیزاری"

محمود یہ سن کر تاب نہ لاسکا اور بیتاب ہو کر اُٹھ بیٹھا اور کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ شہاب نے پھر کتاب اُٹھالی اور نہایت اطمینان وسکون سے دیکھنے لگا۔

ٹھیک سامنے کی گھڑی آٹھ بجا رہی تھی کہ کھانے کا گھنٹہ ہوٹل کی عالیشان عمارت میں گونجنے لگا اور شہاب نے دیوار کے برقی بٹن کو دبایا، خادم آیا شہاب نے اس سے کہا "ہم دونوں اس وقت کھانا نہیں کھائیں گے"

محمود جو اس وقت شہاب پر سخت برہم تھا اور اس سے انتقام لینا چاہتا تھا بولا:- "میں کیوں نہ کھاؤں گا؟"

شہاب۔ "اس لئے کہ کھانا کھانے کے بعد تھیٹر جانا بیکار ہے"

محمود۔ "جاتا کون ہے"

شہاب۔ "میں اور میرے ساتھ تم"

محمود۔ "میں تو نہ جاؤں گا"

شہاب۔ "تو اور زیادہ قوی وجہ تمہارے کھانا نہ کھانے کی ہے کیونکہ

جو شخص اس قدر مغموم ہو کہ اپنی غذائے قلب ترک کر دے، اس کو غذائے جسمانی کی پروا کیا ہو سکتی ہے"۔

محمود نے بل کر برقی بٹن دبایا تاکہ خادم کو بلائے اور اپنا کھانا وہیں کمرے میں منگا لے۔

شہاب نے محمود کے اس انداز کو سمجھا اور خاموش رہا، لیکن جب خادم آیا تو شہاب نے ایک نگاہ محمود پر ڈالی اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی نگاہ میں کیا اثر تھا کہ محمود کی زبان سے کھانے کے متعلق ایک لفظ نہ نکلا اور صرف برف آب لانے کا حکم دے کر اس کو رخصت کر دیا۔

اس میں شک نہیں محمود بسا اوقات شہاب کی باتوں سے اس قدر بیزار ہو جاتا تھا کہ وہ گھبرا کر دل میں عہد کر لیتا تھا کہ اب اس سے نہ ملوں گا لیکن خدا جانے شہاب کا کیا اثر تھا، وہ کیسی قوت مقناطیسی تھی کہ انتہائے غضب کی حالت میں بھی وہ اس کی مخالفت نہ کر سکتا تھا ——

محمود مغموم تھا، خاموش تھا اور اس عالم میں نہ تھا کہ وہ اس وقت کسی سیر و تفریح میں حصہ لے سکے لیکن جب نو بجے کا وقت قریب آگیا اور شہاب نے گاڑی طلب کر کے محمود سے کہا کہ "چلو" تو وہ انکار نہ کر سکا اور شہاب کے ساتھ ساتھ اسی طرح ہو لیا جیسے کوئی اس کے گلے میں زنجیر ڈالے ہوئے لئے جا رہا ہے۔

تھیٹر ہال اوپر برقی روشنی سے اور نیچے درخشانی حسن سے جگمگا رہا ہے

بمبئی کا بہترین حسن اور حسن کی بہترین خود آرائیاں، جلوۂ بے محابا کی بے پناہ عشوہ باریاں، ناز و کرشمہ کی محشر خیز فسوں زائیاں، جمال کی بے نیازیاں، آرائشوں کی دل ربائیاں، رنگین و معطر ساریاں اور ان ساریوں کی ایمان طلب عریانیاں۔

یہ تھا وہ تھیٹر ہال جہاں محمود و شہاب پہونچے اور کسی نہ کسی طرح اس سیلاب رنگ و تعطر اس طوفان حسن و نور کو عبور کرتے ہوئے اپنی اُن کرسیوں تک پہونچے جن کو اُنہوں نے شام ہی سے اپنے لئے مخصوص کرا لیا تھا۔

پردہ اُٹھا اور تماشہ شروع ہوا۔

(۴)

حسن، جس کو اپنی شراب کے رسا ہونے کا علم اس وقت ہوتا ہے جب اس میں یہ خواہش پیدا ہو کہ وہ راتوں کو سونے نہ دیا جائے ابھی سو رہا ہے۔

جوانی جس کو اپنی سرشاریوں کا علم اس وقت ہوتا ہے جب ہر شام اُسے انتظار نظر آنے لگے اور ہر رات آغوش بیدار گزرنے والی رات اس نشہ کی کیفیات ختم کر چکی ہے اور جوانی جو انگڑائیاں لیتے لیتے ابھی کچھ غافل سی ہو گئی ہے، ہنوز بے خبر ہے، اس لئے اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بمبئی کچھ نہیں ہے مگر کاشانہ حسن و جوانی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت سارے شہر پر اک گہرا سکوت خواب طاری ہے اور ٹھیک اُس وقت جب کہ دُنیا کی ہر چیز جاگ اُٹھنا چاہتی ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ بیدار ہو جانے کے لئے بیتاب ہے، بمبئی سو رہا ہے اور سوتے رہنے کے لئے مجبور!

اللہ کی اُس مخلوق کا ذکر نہیں جو بمبئی میں صرف اس لئے آباد ہے کہ اپنی محنت، اپنی رات دن کی مشقت و جانکاہی کا عوض صرف اس قدر چاہے کہ دولت اُسے ٹھکرا نہ دے، جاہ و امارت اس کے تمام ثمرات محنت حاصل کر لینے کے بعد صرف ایک خشک سی نان جویں دے کر اُسے ہمیشہ کے لئے اپنا غلام بنا لینے سے انکار نہ کر دے، قیمتی موٹروں اور زرق برق گاڑیوں میں متمکن رہنے والا حسن، اُس کی عرق آلود پیشانی سے اپنی حسین گردن کے لئے موتیوں کا ایک خوشنما ہار مہیا کر لینے کے بعد صرف اس بات کی اجازت دیدے کہ وہ اپنی شبانہ روز مشین کی طرح حرکت کرنے والی زندگی کو اس کے لئے وقف کر دے۔ ہاں ایسی مخلوق کا ذکر نہیں کہ اُس کی زندگی تو صرف ایک دن ہے اور راس کی حیات یکسر اضطرار و اضطراب، مگر بمبئی کی آبادی کا وہ عنصر عظیم جس نے رات کو دن بنا لیا اور دن کو رات، ہاں وہ آبادی جس کی ہر رات، دن سے زیادہ روشن صدہا مثالیں غیر معصوم بیداریوں کی پیش کر سکتی ہے، جس کی رات کا ہر ہر لمحہ، ایک اخلاق شکن کہانی، ایک دشمنِ تہذیب دفتر معاصی اک عدوئے انسانیت داستان وحشت و درندگی ہے، ہنوز محو خواب ہے، اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے عیش و تفریح کی خستگی، وہ خستگی جو ہمیشہ لہو و لعب میں پڑ جانے والے دماغ پر مستولی ہو جاتی ہے کب دور ہوگی۔

محمود رات کو تھیٹر سے واپس آنے کے بعد غافل ہو کر سو گیا، لیکن شہاب جو کبھی سونے کا معمولی وقت گزر جانے کے بعد نہیں سوتا تھا، جاگتا رہا، اپنے کمرہ میں دیر تک کرسی پر دراز ہو کر رات کے واقعات، تماشہ کی کیفیات،

وہاں کے حالات پر غور کرتا رہا اور طلوعِ آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل محمود کے لئے یہ تحریر میز پر رکھ کر کہ "آٹھ بجے تک سال چرچ گیٹ پر انتظار کروں گا" باہر نکل کھڑا ہوا۔

شہاب کو نظرتاً مظاہر قدرت سے بڑی گہری دلچسپی تھی، وہ صبح کی پُرسکون کیفیات اور شام کے رنگین مناظر کو دیکھ کر گھنٹوں ان میں مستغرق رہتا اور پھر اُس وقت دنیا کی کسی چیز کی اُس کو پروا نہ ہوتی ـــ

ساحل پر اک سکونِ مطلق طاری ہے، صبح کی سپیدی ہر ہر چیز کو شگفتگی میں تبدیل کرتی ہوئی سیلاب کی طرح بڑھتی جا رہی ہے اور سمندر کی اونچی لہریں باقاعدہ وقفوں کے ساتھ شور کرتی ہوئی آتی ہیں، اور ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر پانی کی ایک وسیع چادر پھیلاتی ہوئی فنا ہو جاتی ہیں۔ شہاب پتھروں پر کروٹ سے لیٹا ہوا سر کو ہاتھ پر بلند کیے دیکھ رہا ہے اور اُس کے چہرہ سے بڑا اطمینان و سکون ظاہر ہو رہا ہے۔

روشنی اچھی طرح پھیل گئی تھی اور آفتاب اپنے دامن کی دولتِ زر چاروں طرف بکھیرتا ہوا نمودار ہو ہی رہا تھا کہ محمود بھی آ گیا اور آتے ہی اُس نے شہاب سے پوچھا:ـــ

"تم نے مجھے نہ جگایا، بڑے خود غرض ہو؟"

شہاب: "میں جانتا تھا کہ تم ابھی نہ جاگو گے"

محمود: "مگر تمہارا یہ خیال غلط نکلا۔ دیکھو میں جاگ اُٹھا کہ نہیں؟"

شہاب :۔ ہاں اُس وقت جب میں بھی سو سکتا ہوں :

محمود :۔ شہاب، تم اس وقت مجھے بہت خوش نظر آتے ہو، ایک بات کہتا ہوں، اک التجا کرتا ہوں، اگر مان جاؤ، دیکھو انکار نہ کرنا :۔

شہاب :۔ میں ہر وقت خوش رہتا ہوں، یہ بات دوسری ہے کہ تمہیں یا کسی کو ایسا نظر نہ آؤں لیکن اگر میری مسرت تمہارے اندر ایسی جسارت پیدا کر سکتی ہے، کہ کوئی بات خوف و احتراز کی کہہ سکو، تو میں اُس کو تمہاری کمزوری سمجھوں گا، اس لئے میری مسرت سے یہ فائدہ تو نہ اُٹھاؤ، یوں مجھ سے کہو میں بھی انکار نہ کروں گا، اگر انکار نہ کر سکا :۔

محمود (شہاب کی اس گفتگو سے کچھ مضمحل ہو کر، خیر جانے دو۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم اس وقت سنجیدگی سے میری گفتگو سنو گے اور جواب دو گے لیکن معلوم ہوا کہ تم سے اس کی توقع کرنا غلطی ہے :۔

شہاب :۔ یقیناً غلطی ہے، اگر میری سنجیدگی سے کوئی شخص نا جائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے رہا یہ کہ تم کیا کہتے اور میں کیا جواب دیتا، سو بغیر تمہارا سوال سُنے ہوئے جواب دیئے دیتا ہوں کہ "تمہیں چلے جانے کا اختیار ہے میں تو ابھی اور قیام کروں گا :۔

محمود :۔ میں جس قدر تمہاری برہمی سے ڈرتا ہوں، اسی قدر تم کو برہم پاتا ہوں، تمہاری اس نوع کی اجازت اگر میرے لئے کافی ہوتی تو بغیر حصول اذن بھی جا سکتا تھا :۔

شہاب :۔ محمود، تم نے اس سے قبل بھی کئی بار میری برہمی کا ذکر کیا

لیکن میں خاموش رہا، آج تم نے پھر وہی الزام مجھ پر رکھا، دیکھو میں کبھی کسی سے برہم نہیں ہوسکتا، وہ شخص جو کبھی کسی سے کوئی توقع قائم نہ کرے، اُس کو عالم کی کوئی چیز ناخوش نہیں کرسکتی، ناخوشی نام ہے صرف آرزو کی مایوسی کا، تمنا کے اضمحلال کا اور تمہیں معلوم ہے کہ میں اس معاملہ میں کس قدر آزاد ہوں، ساری کائنات میں وہ چیز جس کے ساتھ اپنی تمناؤں کو وابستہ کرسکتا ہوں، صرف فطرت ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی میری آرزوؤں کو پامال نہ کرے گی کیونکہ میں اس سے اُس کی صرف وہ دولت طلب کرتا ہوں جو وہ عالم کی تمام مخلوق کو ہر روز ہر وقت لٹاتی رہتی ہے، اگر آفتاب اپنے طلوع وغروب کی رنگین ادائیاں بدل سکتا ہے، اگر تارے فضائے آسمان میں راتوں کو جگمگانا فراموش نہیں کرسکتے، اگر ہلال کی کشتی سیمیں آسمان کے وسیع و بے پایاں نیل کو نہیں چھوڑ سکتی، اگر چاندنی رات ہی کو ہوسکتی ہے۔ دن کو نہیں، تو تم مطمئن رہو کہ پھر مجھے کوئی غم نہیں، لیکن اگر فطرت اس نظام کو درہم برہم کرسکتی ہے تو یقیناً اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ مجھے بھی تباہ و برباد، برہم و مایوس کردے، ورنہ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ سمندر کی بیتابیاں موج ہیں اور موج کی بےتابیاں سمندر، اگر تم سے ممکن ہے تو میرے نظارہ سے اس لطف کو چھین لو میں سُنتا ہوں کہ لہروں کی روانی اِک زبان ہے اور اس زبان کی روانی ایک طوفانِ تکلم، اگر تم سے ہوسکتا ہے تو میرے سامعہ کو اس ذوق سے محروم کر دو، اور پھر مجھ پر برہمی کا الزام رکھو، ورنہ یوں تو جب تک بہار و خزاں، شگفتگی و افسردگی صبح و شام، سیاہ و سپید دو الگ الگ چیزیں ہیں، میں دُنیا اور دُنیا

والوں کے لئے بیکار ہوں، نہ اُن کی ایذا کا مجھ پر کوئی اثر ہو سکتا ہے اور نہ اُن کے لطف و مرحمت کا۔

اس میں کلام نہیں کہ سارے عالم میں محض صرف تمہارا ہی ایک وجود ایسا ہے جس کی نسبت مجھے علم ہے کہ میری زندگی میں اُس کا ایک حصہ شامل ہے اور میں اُس سے متاثر بھی ہوتا ہوں، لیکن شاید تمہیں خبر نہیں کہ میں تمہیں بھی مناظر فطرت کا ایک خوش سواد منظر سمجھتا ہوں اور اس لئے تمہارا ہر تغیر میرے اوپر وہی اثر کرتا ہے جو مناظر فطرت کا تغیر، جس وقت تم میرے پاس نہیں ہوتے، میں مضمحل ہو جاتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے ایک گلاب کو گرم ہوا کے جھونکے سے کمہلاتے ہوئے دیکھ کر۔ میں تمہارے نکاح سے اختلاف کرتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے میرے سامنے کوئی شخص ایک نازک درخت کی شاخیں یا اُس کا تنہ کاٹنے لگے اور میں اس پر راضی نہ ہوں، آج تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ "جاؤں" میں کہتا ہوں "جاؤ" کیونکہ مجھے یقین ہے کہ فطرت نے اس درخت میں گھن لگا دیا ہے اور شاید وہ اپنی زندگی پوری کر چکا ہے، پھر اگر کچھ دن قبل ہی قطع کر کے اس کی حیات ختم کر دی گئی تو کیا؟ میں سمجھوں گا کہ قدرت نے اپنا ایک لطف مجھ سے چھین لیا اور اپنے دل کا ایک کونہ اس تباہی پر ماتم کرنے کے لئے وقف کر دوں گا اور اگر کبھی ضرورت ہوئی تو تم کو یاد کر کے نہیں بلکہ صرف دل کی اس ویرانی کو دیکھ کر رو لیا کروں گا رہا یہ کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں سو یہ ظلم تو مجھ پر روا نہ رکھو، یہ میرے بس کی بات نہیں، مجھے معلوم ہے کہ باغ سے روز بے شمار پھول شاخوں سے جدا کر کے خاک میں ملا دیئے جاتے ہیں، لیکن یہ کیا لازم ہے کہ میں انسان کی اس وحشت د

زندگی کو خود اپنی آنکھ سے دیکھوں بھی۔ یقین کرو کہ میں نے بمبئی کے ساتھ تمہیں جانے کی اجازت نہیں دی، لیکن ہاں اس میں میری یاس، میری ناامیدی ضرور شامل ہے، سو اس کا دور کرنا تمہارے امکان میں نہیں، اس لئے مجھے تم سے کوئی شکایت بھی نہیں۔ محمود اب میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھول جاؤں۔ قبل اس کے کہ تم دنیا کے ساتھ مجھے بھی بھول جانے پر مجبور ہو جاؤ اور یہ بھی صرف اس لئے چاہتا ہوں کہ تم کو میرا بھلا دینا آسان ہو اور چند دن نکاح کے پردۂ خیال پر مصنوعی نقش و نگار کی فانی کیفیات سے چند دن تو لطف اٹھا لو۔ کاش، دنیا حسن و قبح میں تمیز کر سکتی اور سمجھتی کہ ہر وہ چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں ہے۔"

محمود جو دیر سے آبدیدہ ہو رہا تھا، اب ضبط نہ کر سکا، اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ شہاب خاموش ہو گیا اور خاموشی سے دیکھتا رہا۔ شہاب کے لئے محمود کو رلانا نئی بات نہ تھی، چنانچہ اس وقت بھی محمود روتا رہا اور شہاب دیکھتا رہا، یہاں تک کہ محمود شہاب کی طرف سے گردن موڑ کر ایک طرف کو ہو گیا اور پورا آدھ گھنٹہ اسی حال میں گزر گیا، نہ شہاب سے محمود نے کوئی گفتگو کی اور نہ شہاب نے محمود سے، اب دھوپ تیز ہو گئی تھی ـــــ اور بمبئی کا ہنگامہ شروع ہو چلا تھا اس لئے شہاب اٹھا اور اسی کے ساتھ محمود بھی اور دونوں اپنی فرودگاہ پر پہونچ گئے۔

یہاں ان کا ایک دوست جو کچھ زمانے سے بمبئی میں مقیم تھا انتظار کر رہا تھا اور وہ سکوت جو شہاب و محمود پر طاری تھا قائم نہ رہ سکا اور سب سے پہلے محمود ہی کو بولنا پڑا، کیونکہ طفیل، محمود کے ان دوستوں میں سے تھا جو فیشن کے

رکھ رکھاؤ کے لئے مشہور تھے، حلقۂ احباب میں ہر فرد کو معلوم تھا کہ طفیل سے زیادہ خوش زندگی بسر کرنے والا اور اُس سے زیادہ اپنے اوقات کو لطف و مسرت میں گزار دینے والا اور کوئی نہ تھا، اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر جذبہ صرف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ پورا کیا جائے اور اسی کا نام زندگی ہے، اس کے ہاں ماضی و مستقبل کا مفہوم کوئی نہ تھا وہ صرف حال کو دیکھتا اور چاہتا کہ بہرصورت اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

طفیل نے جو شب گزشتہ کسی خاص وجہ سے تعیش نہ جا سکا تھا سب سے پہلے ہی گفتگو شروع کی اور محمود سے سوال کیا کہ:۔

"اختر کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟"

محمود:۔ "مجھ غریب سے کیا پوچھتے ہو (شہاب کی طرف اشارہ کرکے) ان سے پوچھو"

طفیل:۔ "ہاں شہاب صاحب آپ فرمائیے"

شہاب:۔ "حیرت ہے کہ آپ مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں؟ میں اگر آپ کی جگہ ہوتا اور اختر کی نسبت وہ خیال قائم کر لیتا جو آپ نے قائم کیا ہے تو میں کبھی کسی سے سوال نہ کرتا اس ڈر سے کہ مبادا وہ اختلاف کرے۔ آپ انہیں اچھا سمجھتے ہیں یقیناً وہ اچھی ہوں گی، میں کیا عرض کر سکتا ہوں جب کہ میں نے انہیں صرف ایک بار دیکھا ہے"

طفیل:۔ "تاہم جو رائے آپ نے اُن کے فن کے متعلق قائم کی ہے میں وہ سننا چاہتا ہوں، یقیناً میرا خیال اُن کی نسبت اتنا ہی کہ اگر آپ نہایت آزادی سے کام لے کر کوئی بُری رائے قائم کریں گے تو بھی مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا"

شہاب: پھر آپ کا پوچھنا اور میرا جواب دینا دونوں بیکار ہیں۔
کیوں آپ مجھے ایسی گفتگو پر مجبور کرتے ہیں جس سے متاثر ہونے کے لئے
آپ آمادہ نہیں، شاید آپ کو یقین ہے کہ میں بھی آپ کا ہم آہنگ ہوں گا،
اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ اپنی پسندیدگی دا انتخاب کی داد مجھ سے حاصل
کریں۔ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو لیجئے میں بھی کہے دیتا ہوں کہ واقعی اختر
ویسی ہی ہیں جیسی آپ سمجھتے ہیں اور ان کا نظیر اس وقت دنیائے اسٹیج پر کوئی نہیں۔
طفیل: کیا میں آپ کی اس رائے کا حوالہ اپنی گفتگو میں کسی دوسری جگہ
دے سکتا ہوں؟
شہاب: ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ رائے تو صرف آپ کے خوش کرنے کے لئے
تھی اور آزادانہ رائے تو میری محفوظ ہے جسے میں صرف اس شخص کے سامنے
پیش کروں گا جو اس کو سنے اور اگر معقول ہو تو تسلیم کرے۔
طفیل: اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ فرمائیے، میں آپ کی
رائے کو سنوں گا بھی اور اس کا اثر بھی قبول کروں گا۔
شہاب۔ (مسکرا کر) طفیل صاحب آپ کے اس سوال کا جواب دینا
میرے لئے مشکل ہے کیونکہ مجھے ابھی تک یہی نہیں معلوم ہوا کہ دنیا کس ایکٹنگ
کو بہتر سمجھتی ہے اور کس کو ناقص، ایکٹنگ نام ہے اظہار جذبات کا جوارح ظاہری
کے ذریعہ سے اور چونکہ ہر شخص کے تاثرات ایک ہی چیز کی نسبت مختلف ہوتے
ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ جذبات میں بھی اختلاف ہوگا اور جذبات کا اختلاف
ایکٹنگ کا اختلاف ہے، اس لئے بالکل ممکن ہے کہ جن حرکات کو میں پسند

کرتا ہوں آپ پسند نہ کریں اور جن کو میں بُرا سمجھتا ہوں وہ آپ کے نزدیک اچھے ہوں، ایکٹنگ حقیقتاً مصوری ہے اور مصوری کچھ نہیں ہے مگر تجزیۂ حسن، پھر جب نفسِ حسن کے متعلق مذاقِ انسانی میں باہم اس قدر اختلاف ہے تو تمثیلِ حسن کے متعلق کیوں نہ ہوگا۔ رہا یہ امر کہ میں نے کیا خیال قائم کیا ہے سو افسوس ہے کہ کل کی ایکٹنگ اُن کی تمام تر بگڑی تھی اور بدقسمتی سے میں اس کا قائل نہیں کہ ایک عورت واقعی کسی مرد کے لئے ایسا دل دُکھا سکتی ہے جیسا کل اختر نے اپنے فرضی و مصنوعی عاشق کے لئے دکھایا اور اس لئے میرے نزدیک اُن کے سارے حرکات غیر فطری اور خلافِ حقیقت تھے۔"

طفیل: "اس سے بحث نہیں کہ عورت مرد کے لئے اس درجہ بے قرار و مضطرب ہو سکتی ہے یا نہیں لیکن تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیجئے کہ ایسا ہو سکتا ہے اور پھر بتائیے کہ اختر نے کیا کیا۔ ہم حقیقت سے تو بحث کرتے ہی نہیں کیونکہ تھیٹر میں جو کچھ ہے نقل ہے۔ ظاہر ہے کہ اختر نے جس مرد کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ اس کا محبوب نہ تھا اور اس لئے یوں بھی جو کچھ ہوا خلافِ حقیقت تھا۔ ہم کو تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ جن جذبات کی نمائش کی گئی وہ ایک ایسی مثال فرض کر لینے کی صورت میں فطرتاً ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں اور ہمارا فرض یہیں ختم ہو جاتا ہے۔"

شہاب: "اگر مجھے اک خلافِ حقیقت امر تسلیم کر لینے پر مجبور کیا جاتا ہے تو بیشک میری رائے یہ ہوگی کہ اختر کی ایکٹنگ غیر حقیقی جذبات کی بہترین نقل تھی اور نہ صرف یہ بلکہ اگر حقیقتاً کوئی عورت کسی مرد سے اتنی محبت کر سکتی ہو

تو وہ قابلِ پرستش ہے۔"

محمود، شہاب کے یہ الفاظ سن کر چونک پڑا کیونکہ شہاب کے منہ سے یہ بالکل نئی بات اس نے سُنی تھی۔ وہ دفعتہً اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔

"شہاب کیا یہ سچ کہتے ہو، کیا یہ تمہارا سچا خیال ہے کہ اگر کوئی عورت ایسی نظر آئے تو اُس کی قدر کرنا چاہیئے، اس کی پرستش کرنی چاہیئے۔"

شہاب "یقیناً، لیکن ایسی عورت کا وجود میرے نزدیک محال ہے اور عورت کیا مرد بھی صحیح معنی میں کسی عورت سے اُلفت و محبّت نہیں کر سکتا اور اس وقت یا اس سے قبل جب کبھی کوئی واقعۂ حسن و عشق پیش آیا ہے وہ صرف لٹریچر ہے، کسی مرد یا عورت کے جذبات کی سائیکالوجی نہیں، مرد عورت کو چاہتا ہے اور اس میں خاص غرض شامل ہوتی ہے۔ عورت مرد سے محبّت کرتی ہے اور اس کا ایک مقصود ہوتا ہے لیکن ہم اس پر غور نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ غرض جس قدر قوی ہوتی ہے اسی قدر زیادہ سخت فریب ہم کو حقیقی عشق و محبّت کا دیا جاتا ہے اور ہم اُسے تسلیم کر لیتے ہیں، یہاں تک اب محبت نام ہے صرف خود غرضی کا اور عشق کا مفہوم کچھ نہیں ہے مگر محض مدعا پرستی، سوال یہ ہے کہ مرد عورت شباب سے گزر جانے کے بعد اس جذبۂ محبّت کو کیوں کھو دیتے ہیں اس وقت اُن کی محبت کہاں چلی جاتی ہے؟ اس کی وجہ سوا اس کے کچھ نہیں ہے کہ جوانی میں جو ہیجان پیدا ہوتا ہے وہ ایک دوسرے کو کھینچ کر ملا دینا چاہتا ہے اور ہم اس کشش کو

کشش محبت، جذب صدق و خلوص اور خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں، حالانکہ وہاں نہ محبت ہے نہ صدق و خلوص بلکہ صرف جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے انسان اپنی زندگی تک وقف کر دیتا ہے اور تا وقتیکہ وہ حاصل نہ ہو جائے چین نہیں لیتا۔

طفیل:" اچھا تو اس نالائق محبت کا وجود کہیں ہے بھی یا یونہی اس کی دھوم مچی ہے؟"

شہاب:" میرے نزدیک محبت کا وجود کہیں نہیں ہے اور اگر ہے تو وہاں جہاں ہر شخص کی رسائی ممکن نہیں"

طفیل:" وہ جگہ ملک کے کس گوشہ میں ہے، کس جغرافیہ میں تلاش کرنے سے پتہ چلے گا؟"

شہاب۔ (ذرا چیں بہ جبیں ہو کر) کیا آپ کو بتا دوں؟ معاف کیجئے آپ کو جو نہ صرف محبت کی توہین بلکہ اس کو غارت و برباد کر دینے میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ آپ کے سامنے تو اس مقدس جگہ کا نام لینا بھی کفر ہے کیونکہ آج اگر آپ کو معلوم ہو جائے تو کل شروع ہونے سے پہلے ہی آپ اس جگہ کی معصومیت کو خراب کر دیں گے اور اس کی حرمت کو داغ دار۔ طفیل صاحب خدا کے لئے آپ کبھی محبت کی جستجو نہ کیجئے گا، آپ کی جو زندگی گزر رہی ہے خوب ہے، آپ کیوں اپنے اس لطف کو ہاتھ سے دیں گے جو ہمیشہ محبت سے جدا رہنے ہی کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، بلبل کی طرح صرف گلاب بلکہ صرف بہار کے علم پر سر دھننا کیا کوئی معقول بات ہے، زندگی تو

بھونرے کی ہے کبھی اس کلی پر بیٹھ گیا اور رس چوس لیا کبھی اس کلی سے لپٹ گیا اور اس کی شیرینی سے لطف اٹھایا بھونرے کا یہی کام ہے کہ جس وقت وہ باغ میں بلبل کا نالہ و شیون سنے تو اس پر ہنسے اور بلبل کی یہی شان ہے کہ وہ سب کچھ دیکھے اور اپنے غم میں آخرکار سوکھ کر کانٹا ہو جائے پھر اگر بھونرا آشیانۂ بلبل کا پتہ پوچھے تو میں کیا بتاؤں طفیل صاحب اب میں آپ سے کیا کہوں کہ محبت کا نشیمن کہاں ہے اور آپ اس کو کہاں دیکھ سکتے ہیں اس ذکر کو جانے دیجئے آپ کیوں اپنی وضع کی توہین کرتے ہیں۔ کہاں یہ کالر وٹائی اور کہاں خیال محبت آزمائی معاف فرمائیے گا مجھے معلوم ہے کہ آپ نے کبھی دعوۂ محبت نہیں کیا اور اسی لئے میں نے یہ عرض کر دیا ورنہ شاید اس درجہ گستاخ آپ کی جناب میں نہ ہوتا میں تو خود آپ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ کی زندگی کی مسرتوں کا کیا راز ہے اور میں بہت پسند کرتا ہوں ایسے شخص کو جو آپ کی طرح زندگی بسر کر دے کیونکہ میرے نزدیک دنیا کی لذتوں کو چھوڑ دینے سے زیادہ مشکل ان کا حاصل کرنا ہے اور وہ شخص جو اس میں کامیاب ہو جائے یقیناً مرد ہے اور اس قابل کہ یہ آج کل کے محبت کرنے والے عورت کی ہر سر تحریر پر مست جانے والے اس سے درس لیں اور معلوم کریں کہ جس چیز کو وہ راحت سمجھ کر حاصل کرنا چاہتے ہیں سخت عذاب ہے اور جس چیز کو وہ پانی سمجھ کر اپنی تشنگی رفع کرنا چاہتے ہیں صرف سراب ہے۔

(۵)

"جوانی آہ وہ جوانی جس کی لذتوں جس کی کیفیتوں کا بیان الفاظ سے

ممکن نہیں، جس کی حقیقت کا اندازہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ کسی کو حاصل ہو، جس کے نشہ کا کیف وہی جان سکتا ہے جس نے اس شراب کو پیا ہو، کس قدر جی چاہتا ہے کہ یہ اپنے قابو میں ہو، آئے جس وقت اس کا جی چاہے لیکن، جائے اُس وقت جب ہم چاہیں، جب ہمارا دل چاہے۔ ایک انسان کی زندگی تو اس قابل تھی کہ اس میں سوا، جوانی کے کچھ نہ ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہوتا اور بدقسمتی سے ہم اس راز کو بھی نہیں سمجھتے کہ ہماری اس تقریباً نصف صدی کی زندگی میں حقیقی زندگی کتنے دن رہتی ہے، اُس وقت سے کہ ہم دُنیا میں آکر ایک بار آنکھ کھولتے ہیں اس ساعت تک کہ پھر وہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہے، ہم یہی سمجھتے ہیں کہ اس قدر زمانہ زندگی کا تھا حالانکہ زندگی تو اس وقت شروع ہوئی تھی جب ہم نے اوّل اوّل کسی کو دیکھ کر یہ محسوس کیا تھا کہ دل اس طرف کھنچا جا رہا ہے اور اس کے اقتضا کا لحاظ رکھنا تھا جب دل نے کہا کہ اس طرح بیباکانہ اپنی نگاہوں کو آزاد کر دینا مناسب نہیں۔

سمندر کی زندگی یوں تو یکسر طوفان ہے — لیکن دنیا میں صرف وہی طوفان یادگار رہ جاتا ہے جو ساحل کی پروا نہ کرے اور بستی کی بستی کو بہائے جائے، برسات میں روز بادل اُٹھتے ہیں اور برستے ہوئے نکل جاتے ہیں، لیکن صبح کو اسی ابر کے ٹکڑے کا ذکر ہر زبان پر ہوتا ہے جو تالابوں کو لبریز، ندیوں کو طوفان خیز مکانوں کو مسمار اور راستوں کو دشوار گزار بنا جائے، یوں تو وہ کون ہے جس پر شباب اور کیفیات

شباب طاری نہیں ہوتیں لیکن سچ پوچھئے تو جوانی اسی شخص کی ہے، جس نے اسے بُری طرح ضایع کیا، دنیا میں اگر کوئی چیز ضائع کرنے کی ہے تو وہ صرف جوانی ہے اور یہی وہ بربادی ہے جس کے خیال میں بھی قریب قریب وہی لذت ہے، جیسی نفس تباہی میں، لوگ کہتے ہیں کہ جوانی سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں اور اس لئے اُس کی حفاظت ضروری ہے، میں کہتا ہوں یہ قیمتی ہی صرف اس لئے ہے کہ اُس کی حفاظت نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی اس کو محفوظ رکھ سکے تو وہ جوانی نہیں بلکہ اور کچھ ہے، جس کی زمانہ قدر کرے لیکن کم از کم میری نگاہ میں تو اس کی کوئی عزت نہیں "

یہ تھی طفیل کی ایک تقریر جو دوران گفتگو میں اُس نے مسئلہ شباب کے متعلق شہاب و محمود کے سامنے کی۔ شہاب جو نہایت خاموشی سے سن رہا تھا اور کبھی کبھی مسکرا پڑتا تھا "درست ہے" کہہ کر اس گفتگو کو ٹال دینا چاہتا تھا لیکن یہ دیکھ کر کہ محمود اس سے بہت متاثر ہو رہا ہے۔

شہاب خاموش نہ رہ سکا اور بولا:۔

"طفیل صاحب آپ نے جو کچھ اس وقت جوانی کے متعلق کہا وہ وہی ہے جس پر دنیا عمل کرتی ہے اور اس لئے کوئی نئی بات نہیں۔ فرق یہ ہے کہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں اور آپ اُسے کر دکھاتے ہیں، افسوس ہے کہ آپ نے جوانی کی لذت کو بہت محدود کر دیا، اور اس کی کیفیات کو حد درجہ تنگ، یہ تو آپ نے جو کچھ کہا اس کی وہ ادنیٰ لذت و کیفیت ہے جس کو ایک حیوان بھی بغیر بتائے ہوئے سمجھ لیتا ہے اور عمل کرنے لگتا ہے پھر آپ

اگر اپنے آپ کو انسان کہنے کے بعد بھی جوانی کا مفہوم وہی کچھ سمجھتے ہیں جو سامنے آڑنے والا طائر جانتا ہے تو میں مجبور ہوں کہ اس کو بھی انسان کہوں اگر آپ کو حیوان نہیں کہہ سکتا، دیکھئے آپ نے خود جوانی کو لذت کہا ہے اور اُس لذت کا انحصار صرف اس کے ضایع کرنے پر رکھا ہے، لیکن آپنے اس پر غور نہیں کیا کہ نفس مفہوم ضایع کرنے کا قاطع لذت ہے، علاوہ اسکے آپ کو کیونکر یہ معلوم ہوا کہ جوانی کی حفاظت میں کوئی کیفیت نہیں، اگر آپ کبھی اس کی کوشش کرتے تو آپ دونوں حالتوں کا فرق معلوم کر سکتے تھے۔ ممکن ہے وہ شخص جو جوانی کو ضایع کرنے کی چیز نہیں سمجھتا وہ اسکے قیام میں زیادہ لطف پاتا ہو، یقیناً جوانی انسانی زندگی کا بہترین زمانہ ہے، لیکن اس کی خوبی اس کی محتاج نہیں کہ اس کے لئے کسی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہو اور اس لئے میرے نزدیک صرف جوانی کا علم ایک جوان آدمی کے لئے کافی ہے اور پھر اس نشہ میں اُسے یہ بھی بھول جانا چاہیئے کہ وہ جوان ہے بھی یا نہیں، فطرت کا مقصود اصلی، انسان کے پیدا کرنے سے صرف یہ ہے کہ وہ مناظر فطرت و مظاہر قدرت کو دیکھے اور ان میں محو ہو جائے اور یہی مقصود پورا کرنے کے لئے وہ ایک شخص کو جوان بناتی ہے لیکن آپ فرماتے ہیں کہ.........."

شہاب اپنی تقریر ختم نہ کر چکا تھا کہ باہر دروازہ پر کسی گاڑی کے ٹھہرنے کی آہٹ معلوم ہوئی اور طفیل گھبرا کر یہ کہتا ہوا کہ "اختر آ گئیں" باہر چلا گیا۔

آج طفیل نے اختر کو جس سے اس کے مراسم دیرینہ تھے دعوت دی تھی اور صرف اس لئے کہ شہاب و محمود کا تعارف کرائے۔ طفیل چند منٹ میں اختر کو لے کر اندر آیا۔

اختر، شہاب و محمود کو دیکھتے ہی (اُن شہاب و محمود کو جنہوں نے اب سے پندرہ روز قبل اُسی کے سامنے اس کے متعلق ساحل اپالو پر اپنا اپنا خیال ظاہر کیا تھا) گھبرا گئی اور اس کے خون نے چہرہ کو غیر معمولی رنگ انفعال و اضطراب سے رنگ دیا۔ لیکن ــــ اُس نے بہت کوشش کر کے اس غیر محسوس تبسم کے ساتھ جو صرف آنکھوں ہی میں پیدا ہو سکتا ہے اپنے تاثر کو ظاہر نہ ہونے دیا، وہ آگے بڑھی اور طفیل نے رسم تعارف ادا کی۔

طفیل نے بیٹھتے ہی اختر سے مخاطب ہو کر کہا:۔ "میں نے اس کو محسوس کیا ہے کہ فرض تعارف مجھ سے اچھی طرح ادا نہیں ہو سکا اور غالباً میں اس کو بھول بھی جاتا، اگر پہلے ہی سے اس کا قصد نہ کر لیتا کیونکہ میرے نزدیک تعارف وہی ہے جو آپ ہو جائے اور ایک شخص خود سمجھ لے کہ دوسرا کیا ہے تاہم میں اس کمی کی تلافی کچھ نہ کچھ اس وقت کرنا چاہتا ہوں اور اختر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ محمود میرے عزیز دوست ہیں اور شہاب میرے نہایت محبوب دشمن۔ اس سے زیادہ نہ میں کہہ سکتا ہوں اور نہ ضرورت، رہا تمہارے متعلق کچھ کہنا سو وہ بھی فضول ہے، کیونکہ یہاں روز تمہارا ذکر رہتا ہے، اور مناسب نہیں کہ اُس شناسائی کی نزاکت کو مجروح کر دوں جو تمہاری نسبت میں شہاب و محمود کو حاصل ہو گئی ہے، میں چاہتا تھا کہ جس ہستی کے متعلق

محمود مجھ سے روز خدا جانے کیا کیا سوال کیا کرتے ہیں اور شہاب جس کے ذکر کو سُن کر خاموش ہو جاتے ہیں، اُس کو ایک کے جذبۂ بیتاب اور دوسرے کے شوق خاموش کے سامنے پیش کر دوں اور اس طرح اپنی غائبانہ ترجمانی کی خدمت کو ہمیشہ کے لئے ختم۔"

شہاب: لیکن افسوس ہے کہ جس خدمت سے آپ گھبراتے ہیں وہی خدمت آپ ایسی ذات کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو آپ سے زیادہ نحیف و ناتواں آپ سے زیادہ کمزور و نازک ہے۔

طفیل (مسکرا کر) نہیں میرا مقصود تو یہ نہیں ہے اور شاید اس کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ ان کا یہاں آنا صرف اسی لئے تھا کہ آپ اپنے استفہام کے جواب کو بجائے سُننے کے دیکھ لیں اور مجھے خدمت مدح سرائی سے آزاد۔

شہاب: ممکن ہے کہ آپ کا مقصود یہ نہ ہو، لیکن ارتفاع مقصود ارتفاع ضرورت نہیں، میرے نزدیک ایک شخص کا حال اس کی غیبت میں بیان کرنا زیادہ سہل ہے بہ نسبت اس کے کہ خود اس شخص کو سامنے لے آیا جائے، کیونکہ اُس طرح تو صرف آپ کی زبان کو تکلیف جنبش ہوگی اور اس طرح اس شخص کو سراپا نطق ہو جانا پڑے گا، آنکھوں کا یہ کام نہیں کہ وہ گفتگو کریں لیکن ہم چاہیں گے کہ وہ کچھ کہیں اور یقیناً انہیں اس وقت کچھ کہنا پڑے گا چہرہ کا رنگ اس لئے وضع نہیں ہوا کہ وہ بات کرے لیکن ہم سمجھیں گے کہ وہ کچھ کہہ رہا ہے اور واقعی اُسے کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا، اعضا

کی حرکت کوئی تکلم نہیں ہے، لیکن ہم اس سے کچھ سمجھنا چاہیں گے! ورنہ ہر جنبش کو تکلم ہو جانا پڑے گا، پھر یہ اچھا تھا کہ آپ ہی صرف زبان کی جنبش سے مس اختر کا تعارف کرا دیتے یا یہ کہ اب وہ ہمارے سامنے ہیں اور سر سے پاؤں تک عرض حال بنی بیٹھی ہیں۔"

یہ کہتے ہی شہاب نے اور اسی کے ساتھ محمود و طفیل نے اختر کی طرف دیکھا اور اس کا یہ عالم تھا گویا ایک تصویر حیا ہے جو اپنے نم انفعال میں گھلی جا رہی ہے، اس نے لجاتے ہوئے تبسم کے ساتھ پیشانی کا پسینہ رومال سے پونچھا اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی، شہاب نے خود ہی اس کو مخاطب کیا کہ "اختر صاحب، ہم لوگوں کو کیسی مسرت ہے کہ آپ سے آج آخر کار ملنا ہو ہی گیا اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اس اظہار مسرت کو اس احسان کا اعتراف خیال فرمائیں گی جو آپ نے یہاں آکر ہم لوگوں کے حال پر صرف فرمایا ہے۔"

اختر:۔ "یہ آپ کیا فرماتے ہیں ممنون تو مجھے ہونا چاہیئے کہ آپ نے میری طرف سے ایسی خواہش اپنے اندر پیدا کی اور مجھے زیر بار احسان کیا۔ طفیل صاحب نے بارہا آپ لوگوں کا ذکر مجھ سے کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ میری تمناؤں کی رعایت سے یہاں آنے کی مجھے دعوت نہ دیتے تو مجھے اُن سے شکایت ہوتی۔"

شہاب:۔ "میں آپ اور طفیل صاحب دونوں کا شکر گزار ہوں، اور اس وقت سب سے پہلے آپ کو داد دیتا ہوں، اس تکمیل فن پر جس کی

مثال اس وقت ہندوستان کا اسٹیج بہت کم پیش کر سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ آپ نے اس تھوڑی عمر میں کیونکر جذبات انسانی کا ایسا گہرا مطالعہ کر لیا۔"

اختر "شہاب صاحب افسوس ہے کہ آپ بھی وہی خیال ظاہر کرتے ہیں جو میری نسبت عام طور پر ہر شخص نے قائم کر رکھا ہے، میں سمجھتی تھی کہ کم از کم آپ تو مجھے نہ بنائیں گے، خاص کر اس وقت جب کہ آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی زبان کہہ رہی ہے وہ دل سے کس قدر دور ہے اور جس جذبہ کو آپ خلوص کے رنگ میں ظاہر فرمانے کی کوشش کر رہے ہیں اس میں رسمی گفتگو کی کتنی مصنوعی آب و تاب شامل ہے۔"

شہاب جو کبھی ایک عورت کی طرف سے اس قدر ذہین جواب کی توقع نہ رکھتا تھا، چونک پڑا اور ایک خاص انداز سے جس میں حیرت و مسرت دونوں ملی ہوئی تھیں بولا:-

"جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو واپس لینے کے لئے میں آمادہ نہیں کیونکہ اگر (بقول آپ کے) اس میں کوئی حقیقت اور سچائی نہیں ہے تو حقیر و ذلیل ہے اور مجھے اس کی واپسی کی بھی پروا نہیں ہو سکتی لیکن کم از کم میری حیرت تو آپ کے جواب سے دور ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اگر آپ نے اس قدر جلد یہ سب کچھ حاصل کر لیا تو جائے عجب نہیں کیونکہ وہ ذہانت جو فطرت نے آپ کے دماغ میں ودیعت کی ہے، ہمیشہ قبل از وقت پختگی تک پہونچا دیتی ہے اور اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ بہت زیادہ حساس

طبیعتیں بہت جلد مردہ ہو گئیں، لیکن خدا کرے میں آپ کی طبیعت کو اس کلیہ سے مستثنیٰ دیکھوں۔"

اختر:۔ ہاں اس لئے کہ میں اپنی زندگی اور اپنے آپ سے بیزار ہو جاؤں۔"

شہاب:۔ کیوں، خدا نہ کرے ایسا ہو۔"

اختر:۔ مگر ایسا تو ہوتا ہے کیونکہ اگر ایک حساس دل پر موت جلد طاری نہیں ہوتی تو سمجھ لیجئے کہ وہ خود غرض ہو چلا ہے اور دل کا ایسا ہو جانا میرے نزدیک لطیف و پاکیزہ جذبات سے محروم ہو جانا ہے اور اپنے آپ سے بیزار ہو جانے کے لئے یہ وجہ کافی ہے۔"

شہاب:۔ مگر دوسروں کے لئے آپ سے بیزار ہونے کے لئے یہ وجہ شاید کافی نہ ہو اس لئے خدا کے لئے اپنے دل پر موت طاری ہونے کی دعائیں نہ مانگیئے، اپنے لئے نہ سہی۔ دوسروں کے لئے زندہ رہیئے، جذبۂ ایثار کی بدولت تو لوگوں کو مرجاتے دیکھا ہے آپ سے ذرا سا زندہ بھی نہیں رہا جاتا۔"

اختر:۔ (ذرا طعن کے ساتھ) کاش میں آپ کی ہر خواہش پورا کر سکتی لیکن مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنی ہر کوشش پر مجھے اتنا ہی اختیار حاصل ہو جتنا آپ کو اپنی خواہش پر ہے۔"

شہاب:۔ کیا عرض کروں اک عمر اس آزادی میں گزر گئی ہے۔ اور بدقسمتی سے اس آزادی کی تکلیفیں بھی مجھے محبوب ہیں، ورنہ شاید میں آپ کے

اس طعن کو نہ سن سکتا اور اپنی خواہشوں سے اپنا اختیار، اپنی تمناؤں سے اپنا اقتدار اسی طرح اٹھا لیتا جس طرح آپ کبھی اسٹیج پر اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا لیتی ہیں، ہر چند آپ پردہ ہٹا کر وہ چیز دکھاتی ہیں جس کے دیکھتے رہنے کو کسی کا جی چاہ سکتا ہے اور میں شاید اپنی تمناؤں کو بے پردہ کر کے کوئی حسین منظر پیش نہ کر سکوں گا، لیکن خیر تعمیل حکم تو ہو جاتی اُس کو دیکھ کر لوگوں پر گریہ طاری ہوتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہنس پڑتے کچھ بُرا نہ تھا اگر دُنیا کے تماشہ گاہ میں آپ کی کوششوں کی ٹریجڈی اور میری خواہشوں کی کمیڈی پہلو بہ پہلو رونما ہوتیں اور دیکھنے والوں کی سمجھ میں نہ آتا کہ وہ آپ کے ساتھ روئیں یا میرے ساتھ ہنسیں، آپ کی خواہشیں چاہتیں کہ عالم میں کچھ نہ ہو مگر آپ کے لئے اک طوفان اشک، میری خواہشیں چاہتیں کہ دُنیا میں کچھ نظر نہ آئے مگر اک سیلاب خندہ، اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا، خدا جانے آپ کی کوششیں میری خواہشوں کے آغوش میں آکر مسکرا پڑتیں، یا میری خواہشیں آپ کی کوششوں کے حضور میں مصروف گریہ ہو جاتیں، آہ اختر صاحبہ یہ کھیل کھیلنے کے لئے اب دل کہاں سے لاؤں، ایک تھا سو اس کا یہ حال ہے کہ اب یہ بھی خبر نہیں کہ وہ ہے کہاں، آسمان کو دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید اس نیل میں ڈوب کر رہ گیا ہے، سمندر کو دیکھتا ہوں اور خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کے تلاطم امواج میں مل گیا ہوگا، شفق نظر آجاتی ہے تو گمان ہوتا ہے کہ کہیں اس رنگ میں نہ تحلیل ہو گیا ہو، چاند اپنی چاندنی پھیلا دیتا ہے

میں کوشش کرتا ہوں کہ کہیں اس فرش سیمیں میں کوئی شکن نظر آجائے تو سمجھوں کہ دل یہیں ہے، جب بہار اپنی شگفتگی چاروں طرف منتشر کردیتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ ہر ہر پھول اور پھول کی ہر ہر پنکھڑی میں دل ملفوف ہے، تیتری اُڑتی ہوئی گزر جاتی ہے تو میں تڑپ جاتا ہوں کہ یہ کہیں ٹھہرتی تو میں اس کے پروں کے غبار رنگ سے اُس آوارہ ہو جانے والے کا پتہ پوچھتا، بھنبھیری اک اضطراب بنی ہوئی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں ذرا ابھی نگاہ قائم ہو تو اس کے رعشۂ پرواز سے جانے والے کا سُراغ لگاؤں، ہائے اس دل خانہ خراب کا فسانۂ سرگشتگی کہاں تک سُناؤں اور کس سے کہوں کہ وہ کیوں اس قدر آوارہ و برباد ہے کاش اس وقت آپ کو آپ کی نگاہوں کو دیکھ کر یقین کر سکتا کہ وہ یہیں ہے مگر یہ گوارا نہیں ہوتا کیونکہ معلوم ہے دل قدرشناس کے پاس نہیں ٹھہر سکتا اور شاید انسان اور انسان میں بھی آپ کے طبقہ سے زیادہ دل کا دشمن، اس کو تباہ و برباد کر کے لطف لینے والا کوئی نہیں، اس لئے اگر آپ کو میری خواہشیں اس قدر خودسر، میری تمنائیں اس درجہ سرکش میری آرزوئیں اتنی مغرور نظر آتی ہیں تو ملامت نہ کیجئے کہ یہ آپ ہی کی نوازش والطاف کا نتیجہ ہے اور اب میں مجبور ہوں کہ انسان کے اس دل شکن اخلاق کی یاد ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رہوں کیونکہ دل کو اس طرف مائل نہ دیکھنے سے جو صدمہ مجھے ہو سکتا ہے اُس کی تلافی کچھ اسی طرح ہوتی رہتی ہے اور زندگی کی دشواریاں کچھ سہل ہو جاتی ہیں، دُنیا میں

ایسی ایسی مار رکھنے والی نگاہوں کے سامنے سے جان سلامت لیجانا کم ازکم میرے بس کی بات تو ہے نہیں' اختر صاحب باور کیجئے روئے سخن کسی خاص ذات کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ خطاب عام ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کی تلخی کا تعلق کسی مخصوص ہستی سے نہیں' تاہم اگر کوئی تکلیف آپ کو پہونچی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں اور نادم ہوں کہ میں نے آپ کا وقت اس قدر ضایع کیا' حالانکہ وہ صرف میرا نہ تھا۔"

اختر:" آپ کی طرف سے اس خیال کا اظہار میری توقع کے خلاف نہ تھا' طفیل صاحب نے آپ سے اور آپ کے اصول سے مجھے اس قدر باخبر کر دیا تھا کہ میں اپنے تئیں آپ سے دیرینہ شناسائی رکھنے والی سمجھتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ میں دفعتاً اس درجہ آزاد اور بے تکلف ہو گئی' اور اس لئے شہاب صاحب آپ بھی یقین کیجئے کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہونچی اور آپ کا معافی چاہنا بے محل ہے' رہا اس امر پر اظہار ندامت کہ آپ نے اس قدر وقت ضائع فرمایا سو اگر یہ صحیح بھی ہو تو آپ کی ندامت اُس کی تلافی کر سکتی ہے اس لئے یہ بھی بیکار ہے آپ نے ناحق اپنی تقریر کو اس قدر جلد ختم فرمایا' میرے لئے تو اس میں بہت کچھ سامان دلچسپی موجود تھا کیونکہ ہر وہ حقیقت جس پر حقیقت نہ سمجھ کر گفتگو کی جائے بہت دل کش ہو جاتی ہے۔ اور شاعرانہ پرواز خیال کے لئے وسیع جولانگاہ' کاش مجھے بھی یہ سلیقہ حاصل ہوتا اور میں بھی اپنے ذوق ادب کی انتہا یہی قرار دیسکتی اس میں کلام نہیں کہ اگر کسی کو اپنا دل خون کرنے کی فرصت ہو تو شہاب

صاحب آپ سے بہتر شخص گفتگو کے لئے کوئی نہیں مل سکتا۔"

شہاب:۔ اور اختر صاحبہ یقین کیجئے کہ اگر آپ سا سمجھنے والا میسر آ جائے تو میں بھی اپنا دل خون کرنے کے لئے آمادہ ہوں لیکن اس کا کیا علاج کہ نہ آپ کو اس کی فرصت ہے اور نہ مجھے اس کی ضرورت۔ افسوس انسان کے دل میں بھی کیا کیا حسرتیں خون ہو کر رہ جاتی ہیں، بہرحال میں ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے میری کمزوری سے آگاہ فرما دیا، لیکن کم از کم آپ کبھی اس کی خواہش نہ کیجئے گا ورنہ اگر آپ کا پندار کبھی آپ سے دور کر دیا گیا، تو وہی حال ہو گا جو ایک آبگینہ کا اگر اس سے نزاکت چھین لی جائے کہ یہ آبگینہ کی موت ہے اور وہ حسن کی شکست اور جس طرح ایک آبگینہ صرف اس لئے عزیز ہے کہ اس کی تعمیر نزاکت سے ہوئی ہے اسی طرح حسن بھی محض اس وجہ سے محبوب ہے کہ اس کا خمیر نخوت و پندار ہے۔"

اختر:۔ معاف کیجئے، آپ کو میں نے صدمہ پہونچایا، مجھے یہ خبر نہ تھی کہ آپ نے اپنے مذاق طبیعت کو اس قدر ناقابلِ فہم بنا رکھا ہے، ورنہ شاید میں اس کی حقیقت بیان کرنے کی کوشش نہ کرتی لیکن میں آپ سے عرض کرتی ہوں کہ آپ نے جس چیز کو میرے اندر پندار سمجھا ہے وہ حقیقتاً پندار نہیں ہے، معاف کیجئے گا، پندار تو آپ میں ہے کہ آپ اپنے مطالعہ کے نتائج میں کہیں نکتہ چینی کی گنجایش نہیں پاتے، آبگینہ میں نہیں ہوں بلکہ آپ ہیں کہ ذرا سی ٹھیس کی تاب نہیں، تھوڑی سی شرارت ضرور میری ہے

کہ آبگینہ کی نزاکت کو محسوس کرتی ہوں اور پھر بھی اس کو ضرب پہونچاتی ہوں "

شہاب :- ہاں آپ کو یہ گوارا نہ ہوگا کہ کہیں اور نزاکت کا وجود پایا جائے لیکن یہ چیز چھیننے سے حاصل نہیں ہوسکتی، اس لئے آپ کی یہ کوشش بیکار ہے اور یوں بھی آپ کو ڈرنا چاہئے کہ اگر نزاکت سے دشمنی کرنے کی رسم آپ نے رائج کر دی تو پھر اب کیا کہوں کہ .... "

شہاب اس جملہ کو پورا نہ کر چکا تھا کہ خادم نے کھانا چُننے کی اطلاع دی اور سب کے سب اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

(۶)

" محمود اگر تمہاری تحریر سے مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم میری طرف سے ایک سخت غلطی میں مبتلا ہو تو شاید میں تمہاری تحریر کا جواب نہ دیتا، تمہیں معلوم ہے کہ میرے نزدیک دُنیا میں ہر نقصان کی تلافی ممکن ہے مگر وہ نقصان جو روح کو ہو سکے اور اس عالم میں ہر شکست کے لئے ایک پیوست ہے مگر وہ جو کسی دل کو پہونچائی جائے، بہرحال اس تحریر کا مقصود صرف تمہاری اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے تاکہ تم آیندہ اس اظہار خیال کی جسارت نہ کرو۔ تمہارا مجھ سے جدا ہونا مجھے معلوم تھا کہ دوسرے سے مل جانا ہے اور اس لئے اب مجھے وہ خبر

کیا سُناتے ہو جو میرا دل مجھے اب سے ایک ماہ قبل سُنا چکا تھا تم نے مجھے تکلیف پہونچائی، تم نے مجھے ایذا دی، مجھے اسکی بھی شکایت نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے دنیا میں ایک شخص سب سے پہلے اپنے حملہ کا مستحق احباب ہی کو سمجھتا ہے اور اس لئے اگر تم نے مجھے زیادہ صدمہ پہونچایا تو کیا عجب، کیونکہ میں تم سے بہت زیادہ محبت رکھنے کا مدعی تھا۔ تم نے مجھے تقریب عقد میں یاد کیا تھا اور واقعی مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں اس کا شکریہ برمحل نہ ادا کر سکا لیکن اب کہ سب کچھ ہو چکا ہے کیا ضرور ہے کہ اپنی لذتوں سے تھک جانے کے بعد نشتر چبھونے کے لئے مجھی کو منتخب کرو، شاید اس لئے کہ میں تمہارے عقد کے خلاف تھا، شاید اس لئے کہ میں نکاح کو تمہارے لئے مضرت رساں سمجھتا تھا اور اب تم مسرور ہو، کامیاب ہو، گویا مجھ پہ طعن کرتے ہو۔ خیر میں اس ذکر کو مختصر کرنا چاہتا ہوں اور تم کو اور تمہاری مسرت کو زمانہ کے رحم پر چھوڑتا ہوں، خدا کرے وہ اپنے اصول تمہارے لئے بدل دے اور تم کو اپنے زعم و پندار سے پشیمان نہ ہونا پڑے، ہاں تمہاری جس غلطی کا میں نے ذکر کیا وہ یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے دل کا کہنا کیا اور نہ یہ کہ تم مجھ سے جُدا ہو گئے بلکہ وہ غلطی یہ ہے کہ اب پھر مجھ سے ملنے کی تمنا رکھتے ہو، ممکن ہے کہ زمانہ اس صدمہ کو کم کر دے، لیکن یہ

قطعی ناممکن ہے کہ تم شیشہ میں پڑ جانے والے بال کو دور کر سکو، اس لئے مجھ سے مل کے کیا کروگے اور کیوں پھر اس تمنا کو زندہ کروگے جو حشر سے بے نیاز ہے، تم کو معلوم ہے کہ میں تم سے اس لئے محبت کرتا تھا کہ تمہاری طبیعت حسین تھی، تمہاری فطرت دل کش تھی، لیکن اب جب کہ تم میں وہ حسن، وہ دلکشی باقی نہیں (اور کیوں نہیں، اس کو میں بار بار بتا چکا ہوں) اپنا وقت تمہارے لئے کیوں ضائع کروں، ممکن ہے تم اسے میری خود غرضی خیال کرو اور تمہارا یہ خیال صحیح ہوگا، کیونکہ اب جبکہ میرے تمام معاملات میں تمہارا سوال ہی اٹھ گیا ہے۔ میں خود اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھوں گا اور کوشش کرونگا کہ تم کیا ساری دنیا کو اس خود غرضانہ جذبہ پر قربان کر دوں، تم نے اگر میری محبت کو ٹھکرا دینا سہل سمجھا تو میں تمہاری طرف سے اپنی نگاہیں پھیر لینا اس سے زیادہ آسان قرار دوں گا، اگر تم نے میرے خلوص و صداقت کا خون کر دینا دشوار نہ جانا تو میں تمہاری التجاؤں اور زاریوں کو ٹھکرا دینا کیوں مشکل سمجھوں - یاد رکھو جس کو میں خود بھلا دوں، اسے پھر کبھی یاد نہیں کرتا اور اس لئے اگر آیندہ اب مجھے کوئی خط بھیجو تو اس یقین کے ساتھ کہ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ لفافہ کے اندر کچھ تھا بھی یا نہیں۔"

"شہاب"

یہ تھا جواب اُس تحریر کا جو شادی ہونے کے بعد محمود نے شہاب کے پاس بھیجی تھی، محمود نے جو کچھ لکھا وہ ایک اپیل تھی طلب عفو کے لئے اور معذرت نامہ تھا جس میں اس نے اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا تھا، لیکن شہاب نے جو فطرت کی طرف سے ایک نہایت عجیب وغریب دل ودماغ لیکر آیا تھا، محمود کی لجاجتوں اور التجاؤں کی مطلق پرواہ نہیں کی اور اس نے عہد کر لیا کہ محمود کی اس غلطی کو کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ کبھی اس سے سلسلۂ خط وکتابت جاری رکھے گا۔

شہاب کو معلوم تھا کہ محمود پر اس تحریر کا کیا اثر ہوگا لیکن وہ اپنی تمام عمر میں کسی سے برہم ہو کر پھر کبھی خوش نہیں ہوا، اس لئے وہ اس مسئلہ میں بھی اپنی طبیعت سے مجبور تھا۔

شہاب کو محمود کے ساتھ ایسی گہری محبت کیوں تھی، وہ کیا بات تھی جس نے شہاب میں محمود کی طرف سے اس درجہ گرویدگی وشیفتگی پیدا کر دی تھی؟ اس کے متعلق اگر ہم شہاب کی گفتگو کو صحیح سمجھیں تو ماننا پڑیگا کہ وہ محمود کے اندر نہایت بلند فطرت دیکھتا تھا اور چونکہ شہاب خود فطرتاً نہایت بلند فطرت کا شخص تھا، اس لئے محمود کے ساتھ اس کا مانوس ہو جانا بھی فطری تقاضا تھا، شہاب جانتا تھا کہ شادی ہو جانے کے بعد محمود کا یہ حسن جو صرف تجرد وبے تعلقی ہی کی حالت میں قائم رہ سکتا ہے، زائل ہو جائیگا اور اسی سے وہ محمود کو بچانا چاہتا تھا، اس میں کلام نہیں کہ محمود کو بھی کچھ کم وابستگی نہ تھی، وہ شہاب کی نہ صرف عزت کرتا تھا بلکہ اس کی پرستش

کرتا تھا اور ایسی عظمت اس کی اپنے دل میں رکھتا تھا کہ بسا اوقات وہ اس جذبہ کی قوت سے کانپنے لگتا تھا اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ شہاب اس سے کسی بات پر برہم ہوا اور محمود نے پھر آنکھ اُٹھا کر اُسے دیکھا ہو، لیکن نکاح کے معاملہ میں وہ کچھ ایسا مجبور ہو گیا کہ باوجود سعی و کوشش کے اپنی طبیعت کو نہ سنبھال سکا اور آخرکار عقد کرنے کے سوا اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا۔

(۷)

بمبئی میں ساحل اپالو پر ایک شام جب کہ ابر برس کر آسمان و زمین، ہوا و فضا میں ایک عجیب نکھار پیدا کر گیا تھا، طفیل و اختر ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے سمندر کی تازہ ہوا اور پانی کے ہلکے ہلکے ہچکولوں کا لطف اُٹھا رہے تھے۔ شاندار فٹنوں اور قیمتی موٹروں سے اُتر کر ساحل پر خرام ناز کی مشق کرنے والیاں، نفسجات آرائش و لباس کو جسم کی ہر ہر جنبش سے نمایاں کرنے والی جوان جوان لڑکیاں، یوں تو یہاں روز، ہر شام اپنے خرام ناز سے ساحل کے ہر ہر ذرہ اور اپنے جلوۂ شباب سے فضا کے ہر ہر دائرہ کو بیقرار و مضطرب کر دینے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں، لیکن چونکہ آج کئی دن کی مسلسل بارش کے بعد آسمان صاف ہوا تھا، اس لئے معمول سے زیادہ ہجوم نظر آ رہا تھا اور پورے جوش کے ساتھ اہتمام کیا گیا تھا کہ چند ایام کی غیر حاضری سے جو سکون پیدا ہو گیا ہے اُسے پوری طرح دور کیا جائے۔

طفیل جو اپنی زندگی کا ایک ناقابل فراموش فرض سمجھ کر یہاں آیا کرتا تھا آج بہت مسرور تھا، یہ دیکھ کر کہ بمبئی کے ایک ایک گوشہ کا حسن کھینچ کر یہاں جمع ہو رہا ہے۔ اور اختر جو کبھی اتفاق سے آنکلتی تھی مضمحل تھی، یہ معلوم کر کے کہ کبھی وہ ساحل کی خلوت سے لطف نہیں اٹھا سکتی علی الخصوص اس وقت جب کہ موسم کے لحاظ سے اس کو سکون کی بہت ضرورت ہو، وہ نہ آتی، اگر طفیل اسے اصرار کے ساتھ یہاں نہ لے آتا اور چلی جاتی، اگر لے آنے کے بعد اسی اصرار سے روک نہ لیتا۔

اختر فطرتاً بہت خلوت پسند تھی اور باوصف اس کے کہ تھیٹر کے کھلے اسٹیج پر سیکڑوں نگاہوں کے سامنے ہر رات اپنے آپ کو ظاہر کرنا اس کا روز کا مشغلہ تھا۔ کبھی اس خیال سے خوش نہ ہوتی تھی کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی طبیعت میں حیا تھی شرم تھی اور وہ عرق عرق ہو جاتی تھی جب اُسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بار بار اس کی طرف دیکھ رہا ہے اور اسی لئے بسا اوقات وہ بیزار ہو کر اسٹیج کو چھوڑ دینا چاہتی تھی لیکن حالات سے مجبور تھی۔

اس وقت وہ اپنی سپید ساری میں جو اس کا محبوب رنگ تھا۔۔ خاص محویت کے عالم میں سمندر کے ہلکے ہلکے ہچکولے لینے والے جہازوں کو دیکھ رہی تھی اور متحیر تھی کہ کیوں کر لوگ آسانی سے اپنی جانوں کو اس تعمیر انسانی پر اعتماد کر کے پانی کے مہیب دیوتا کی آغوش میں سپرد کر دیتے ہیں اور اس سے زیادہ حیرت اس پر تھی کہ سمندر انسان کے اس پندار و غرور

پر بہ ہم ہو کر ان لوگوں کو کیوں نہیں نگل جاتا۔" وہ طفیل سے اسی کے متعلق گفتگو کر کے تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئی تھی کہ شہاب بھی آگیا اور اختر اس کی پذیرائی کے لئے کھڑی ہو گئی اور طفیل سے بولی کہ "ان سے دریافت کرنا چاہیئے۔" شہاب جو محمود کے نکاح سے بہت متاثر تھا کچھ نہ بولا اور رنج کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر سوچنے لگا۔ اختر تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد بولی :۔

"شہاب صاحب میں آج آپ کو خلاف معمول اگر مضمحل نہ دیکھتی تو آپ سے شکایت کرتی اور کہتی کہ آپ کیوں ایک ہفتہ سے نہیں ملے اور اگر نہیں آسکتے تھے تو مجھے کیوں نہ یاد کیا؟"

شہاب: "مضمحل تو ہوں لیکن خلاف معمول نہیں تاہم آپ شکایت کر سکتی ہیں، اگر میری طرف سے بجز اعتراف قصور کے کسی اور جواب کی توقع ہو۔"

طفیل (شہاب) "یہ تو بتایئے کہ محمود کی شادی کیونکر ہو گئی؟ آپ تو اس کے مخالف تھے، افسوس ہے کہ محمود نے بہت عجلت سے کام لیا، میرا خیال بھی ان کی نسبت یہی تھا کہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں اور وہ اپنی زندگی خراب کر لیں گے۔"

شہاب: "میں اُن کی شادی کا مخالف تھا یا نہیں اس کا ذکر فضول ہے اب آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ان کی زندگی زیادہ خراب و داغ دار نہ ہو اور یہی بڑا احسان ان کے ساتھ ہے، زخمی ہو جانے کے بعد

اندمال جراحت کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ اظہار افسوس و ملال۔"

طفیل:۔ ہاں درست ہے، لیکن یہ کوشش بھی مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی ڈوبنے والے کو پانی سے نکالنا اور اس بات کی توقع رکھنا کہ اس کے کپڑے تر نہ ہوئے ہوں گے، کوئی معنی نہیں رکھتا، میرے نزدیک اب صرف اظہار افسوس و ملال ہی کا وقت رہ گیا ہے۔"

شہاب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور ایک منٹ خاموش رہنے کے بعد اختر سے مخاطب ہوا۔

"کیوں اختر صاحب کیسا خوشگوار و دلکش موسم ہے، آپ کشتی کی سیر کو پسند نہیں فرماتیں۔"

اختر:۔ موسم ضرور دلکش ہے، لیکن یہ کشتی کا ذکر آپ نے کیا کیا، میری تو روح اس خیال سے کانپ اٹھتی ہے، بلکہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ کس طرح جہازوں اور کشتیوں میں سفر کرتے ہیں! اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ اپنی جانیں کیونکر بچا لاتے ہیں۔ میں اگر سمندر ہوتی تو ایک کو نہ چھوڑتی اور سب کو ڈبو دیتی، صرف اس غصہ میں کہ لوگ ایسی جسارت کیوں کرتے ہیں ——— سمندر کے سینہ پر اس آزادی سے پھرنا سمندر کی توہین ہے جس کو میں تو کبھی نہ برداشت کر سکتی۔"

شہاب:۔ یہ آپ نے کیا فرمایا۔ آپ تو سمندر بننے کی خواہش کرتی ہیں حالانکہ اگر کوئی سمندر سے پوچھے تو وہ کہے کہ میں عورت کیوں نہ ہوا۔ جس کی صرف ایک نگاہ کے عمق میں اس کی تمام گہرائیاں ڈوب سکتی ہیں،

اختر صاحبہ آپ کیوں اپنی توہین کرتی ہیں جب کہ محض ڈبو دینے کے معاملہ میں ایک عورت سمندر پر بھی فوقیت رکھتی ہے، رہا یہ امر کہ طغیانی سے لوگ جانیں کیونکر بچالاتے ہیں یقیناً حیرت ناک امر ہے لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ یہ ہے کہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں، آپ سے ملتے ہیں اور پھر زندہ رہتے ہیں اُس کی تاویل ممکن ہے، لیکن اس کی تو کوئی توجیہہ بھی نہیں ہوسکتی۔"

اختر۔ (سنجیدگی سے) "آپ کی ذہانت جس قدر دلچسپ ہے کاش اتنی ہی بےضرر بھی ہوتی، میں یہ نہیں کہتی کہ آپ عورتوں کو اپنی جنس سے بہتر خیال کریں لیکن اس قدر توہین بھی مناسب نہیں، افسوس ہے کہ ہر شخص اپنے تئیں مظلوم ظاہر کر کے اپنی غلطیوں اور اپنے مظالم کو چھپانا چاہتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا مکر ہے، آپ عورتوں کو ملزم قرار دینے میں کس قدر جری ہیں اور خود اپنے جرائم و معاصی پر کبھی نگاہ نہیں کرتے، خود اپنے دست تطاول کے کارناموں کو یاد نہیں کرتے کہ غریب عورتوں کے دل کس کس طرح دُکھائے جاتے ہیں اور کبھی فکر اندمال نہیں کی جاتی۔ آپ اُصول سے گزر کر شخصیت سے بحث کرنے لگتے ہیں، کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواب میں ایک عورت آپ کی شخصیت سے بحث نہیں کرسکتی اور آپ اس کی اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک عورت کا وجود تباہ کن ہے، کیونکہ آپ اس کو دیکھ کر اپنے

جذبات پر قادر نہیں رہ سکتے، لیکن اگر انصاف کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں غلطی صرف آپ کی ہے اور کمزوری آپ کے نفس کی ورنہ اگر آپ اپنی آزادی میں کچھ کمی پیدا کردیں تو نہ آپ کو کوئی شکایت کا موقع ملے اور نہ عورت کا وجود آپ کے لئے تکلیف دہ ثابت ہو، آپ کیوں وہ آرزو اپنے دل میں پیدا کرتے ہیں جو پیدا نہ کرنی چاہیئے، آپ کیوں ایک چیز کو دیکھ کر اپنے دل میں ایسی خواہش پیدا کرتے ہیں، جو بے محل ہے، یہ کیسا ظلم ہے کہ آپ دیکھنے کی چیز کو ہاتھ سے چھونا چاہتے ہیں اور جب آپ اس میں کامیاب نہیں ہوتے تو اس چیز کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر عورت کے ساتھ مردوں کی طرف سے وہی سلوک کیا جائے جس کی وہ مستحق ہیں، جس کی وہ اہل ہیں تو ایک طرف اگر عورتیں اپنی جگہ آرام سے رہ سکتی ہیں تو دوسری طرف مردوں کو بھی تکلیف نہیں پہونچ سکتی، مرد و عورت کا تعلق ایک فطری تعلق ہے جس سے مجبور ہو جانا نہ صرف مرد بلکہ عورت کے لئے بھی، ناگزیر ہے اور اس لئے اگر صرف مجبوری باعث شکوہ ہوسکتی ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں، یہ جدا بات ہے کہ آپ اس کو ظاہر کردیتے ہیں اور عورت ایسا نہیں کرسکتی۔"

شہاب۔ (مسکراکر) "آپ سے ملنے کے بعد غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے آپ کو اس قدر متضاد گفتگو کرتے دیکھا ہو، معاف کیجئے آپ نے میری پہلی تقریر کے سمجھنے میں غلطی کی "آپ" سے میری مراد آپ کی

"جنس" تھی اور آپ نے اُسے صرف اپنی ذات پر محمول کر کے مجھے ذاتیات سے بحث کرنے کا ملزم قرار دیا، ہرچند آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے میرا دل دکھتا ہے کہ اس سے آپ کے غرور نسوانی کو صدمہ پہنچے گا، لیکن اس خیال سے کہ کہیں یہ غلطی آپ کی تمناؤں کو گمراہ نہ کردے ہیں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ کم از کم آپ میری طرف سے تو ہمیشہ مطمئن رہیئے کیونکہ آپ کی جنس میں تو مجھے دیکھنے کی بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی، چھوڑنے کا ذکر کیا ہے، رہا مرد و عورت کا وہ تعلق جسے آپ "فطری" کہتی ہیں، میرے نزدیک صرف "موسمی" چیز ہے، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کسی عارضی و سطحی بات کو ایک "قہقہہ" سے زیادہ اہمیت دینے کا عادی نہیں اور نہ اپنے جذبات ظاہر کر کے "عورت" کو ان کے جواب دینے کا موقع دیتا ہوں خواہ وہ "مخفی طریقہ سے ہو یا" برافگندہ نقاب"۔

اختر جو شہاب کی اس گفتگو پر "رو پڑنے" کی حد تک محجوب و منفعل ہو چکی تھی، مشکل سے جواب میں "درست ہے" کہہ سکی اور پھر باوجود کوشش کے وہاں ٹھہرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔

(۸)

جس وقت آخری مرتبہ شہاب و اختر کے درمیان گفتگو ہوئی تھی، اس کو دو ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے اور اس زمانہ میں بارہا اختر کا جی چاہا کہ وہ شہاب کو دور ہی سے ایک نگاہ دیکھے لیکن اسکو جرأت

نہ ہوئی کیونکہ شہاب کی تلخ گفتگو کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں نشتر بن کر اُتر گیا تھا، اور وہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح اُس خیال کو دل سے محو کر دے جس کے "محبّت" ہونے کا یقین اس کو لرزہ براندام کر دیتا تھا۔

وہ "شہاب" سے محبت کرنے لگی تھی، اس کا یقین تو اُس کو اُسی وقت ہو گیا تھا جب سب سے پہلی مرتبہ اُس نے شہاب کو ساحل اپالو پر اپنے متعلق گفتگو کرتے سُن کر اپنی پیشانی کو عرق آلود محسوس کیا تھا، لیکن اب تو اس کا علم طفیل اور اس کے دوسرے احباب کو بھی ہو گیا تھا اور اسٹیج کے بعض افراد بھی اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اختر بے انتہا خوددار و غیور عورت تھی اور جب وہ اپنی مضطرب خلوتوں میں شہاب کی بے پروائیوں کا تجزیہ کرنے بیٹھتی تو اپنے جسم کا ایک ایک ریشہ فتیلہ کی طرح جلتا ہوا محسوس کرتی اور شہاب کی فطرت میں ہزاروں نقص نکال کر اس سے متنفر ہو جانا چاہتی تھی لیکن اس خیال کے ساتھ ہی اس کا دل دھڑکنے لگتا، آنکھیں پُرنم ہو جاتیں اور آخرکار وہ شہاب کی بے اعتنائیوں کے سامنے اسی طرح سربسجود ہو جاتی، جیسے کوئی پوجاری اپنے ظالم دیوتا کے سامنے جُھک جاتا ہے۔

اس مرتبہ اس نے کامل دو ماہ تک ضبط کیا، اس نے اس زمانہ کا ایک ایک لمحہ اس کوشش میں صرف کر دیا کہ کسی طرح شہاب کی یاد اپنے دل سے محو کر دے لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوئی تو اُس نے

آخر کار یہ فیصلہ کر لیا کہ "اب جب کہ اس تباہی سے چارہ نہیں، کیوں نہ عہدِ انتظار کو ختم کر دوں اور کیوں نہ اُس لمحہ سے قریب تر ہو جاؤں، جس سے دو چار ہونا مقسوم ہو چکا ہے۔"

بمبئی کی بھیگی ہوئی رات کا ایک حصہ گزر چکا ہے، حیاتِ عشق کی سرگوشیاں کرنے والوں پر ہلکی چاندنی نے چلمن ڈال دی ہے اور گیس کی ملگجی روشنی ایک سوگوار حُسن کی طرح عالم سکوت میں اپنی زندگی آہستہ آہستہ ختم کر رہی ہے۔ شہاب اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا ہے اور کبھی کبھی دریچہ سے اس منظر پر بھی نگاہ ڈال لیتا ہے۔

"کون سمجھ سکتا ہے، لیکن کم از کم آہنی تختیوں پر کندہ کرا کے کسی کھنڈر میں دفن تو کرا سکتا ہوں، مستقبل بعید میں جب انسان کا دماغ زیادہ تربیت یافتہ ہو جائے گا اور اس کو یہ نقوش نظر آئیں گے تو وہ اس زمانہ کی تاریکی پر کوئی قطعی حکم نہ لگا سکے گا۔

شہاب یہ سوچتا جاتا تھا اور اپنی اس تصنیف کو پورا کرتا جاتا تھا جس کا نام اُس نے "الہامات" رکھا تھا۔ جس وقت وہ اس فقرہ پر پہونچا کہ :-

"دنیا جن چیزوں کو محسوسات سے تعبیر کرتی ہے وہ حقیقتاً حسن کی رسوائیاں ہیں۔"

تو بیتاب ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھیں گرم ہو گئیں اور ہلکی سی لرزش اس کے جسم پر طاری ہو گئی —— تھوڑی دیر تک وہ کمرہ میں ٹہلتا رہا اور پھر دریچہ کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا کہ کوئی شخص نیچے سے یہ شعر گاتا ہوا گزرا:-

ترے جواہرِ طرفِ کُلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

وہ سوچنے لگا:-

کس قدر بلند سطح پر پہونچکر غالب نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے، جیسے رات کے وقت بلند فضا میں چکور کی آواز —— "جواہر طرف کُلہ" محسوس چیز ہے، لیکن اس پر "اعتماد" حس کی رسوائی ہے "اوجِ طالع لعل و گہر" غیر محسوس ہے لیکن "ذہنیات" کی زندگی اسی سے وابستہ ہے —— حقیقتیں، جن کو ظاہر ہو جانا چاہئے "مستور" ہیں اور "ظواہر" جو نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں وہ انسان کے دل و دماغ پر مستولی نظر آتے ہیں —— یہ ساحلِ قلابہ پر چاندنی اور سمندر کی موجوں سے لطف اُٹھانے والے یہ دولت کی مستی و سرشاری میں اقتضائے فطرت کو محو کر دینے والے "یہ بدعاتِ قلب" کے لئے "داعیاتِ روح" کو ایک انسانی آغوش کی گرمی میں سپرد کر دینے والے کس قدر بے خبر ہیں کہ "وہ اوہام" کے لئے کس طرح "حقائق" کی قربانی کر رہے

ہیں اور ایک "آنی لذت" کے لئے "ابدی راحت" کو ہاتھ سے
دیدینے میں کس قدر جری ہیں!

شہاب اسی خیال میں منہمک تھا کہ کسی آدمی نے زینہ کا دروازہ
کھٹکھٹایا اور ایک خط دیکر چلا گیا۔

"شہاب صاحب آپ سے ملے ہوئے ایک زمانہ ہوگیا، لیکن
یہ کوئی اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ اس میں میرا قصد و ارادہ شامل تھا
میں چاہتی تھی کہ آپ سے نہ ملوں اور آپ سے ملنے کا خیال بھی دل
سے محو کر دوں لیکن اس دو مہینے کے عرصہ میں میری کوشش کا نتیجہ
صرف یہ ہوا کہ آج میں اپنے آپ کو آپ کے سامنے مغلوب دیکھتی
ہوں اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ محبت جو ظلم کی طرف سے دل
میں پیدا ہو جاتی ہے اس کا مداوا ممکن نہیں پھر بھی آپ سے اس
کی توقع کرتی ہوں، دل میں ابھی نئی آگ ہے اور اضطراب اس قدر
بھی بجھنے کا موقع نہیں دیتا کہ آگ لگانے والے بجھاتے نہیں
بہرحال میرے اعتراف شکست کو قبول کیجئے اور کم از کم یہ تو
محسوس نہ ہونے دیجئے کہ آپ مجھ سے برہم ہیں کہ یہ بھی کم لذت
نہیں"

"اختر"

شہاب نے یہ خط پڑھا اور اس کی پشت پر صرف یہ لکھ کر

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

ایک لفافہ میں بند کیا اور آدمی کو دیا کہ اسی وقت لیٹر بکس میں ڈال دے۔

(۹)

بمبئی کی دوپہر اپنے کاروباری ہنگامہ کے لحاظ سے ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے اور خصوصیت کے لحاظ سے فورٹ کا حصّہ تو نہایت دلچسپ نمایش گاہ بن جاتا ہے۔ دوکانوں کی آرائش، ان کے سامنے موٹروں اور خوبصورت فٹنوں کا باقاعدہ قطار میں کھڑا رہنا، مختلف رنگ کی ساریوں کا، قوسِ قزح کی پریوں کی طرح اپنے سبک وشوخ قدموں سے تلاطم رنگ و نور پیدا کرتے رہنا، یہ وہ معمولی مناظر ہیں جو روز نئی شان سے نظر آتے رہتے ہیں ــــــ بک سیلر (کتب فروش) کی دوکان بھی اسی نوع کے ہنگامہ سے معمور ہے اور عین اس وقت جب کہ اختر بھی کسی کتاب کی تلاش میں ایک الماری کو دیکھ رہی ہے ــــ مالک دوکان ایک کلرک کو ہدایت کرتا ہے کہ "مسٹر شہاب کی کتاب واپس کرکے اطلاع دی جائے، کہ ہم اس وقت اس کی اشاعت سے مجبور ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا جائے کہ اُن کا حساب عرصہ سے معلق ہے، اور ہم اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔"

مسٹر شہاب! کتاب کی واپسی!! حساب کا معلق پڑا رہنا!!!، اختر کے لئے یہ وہ انکشافات تھے کہ تھوڑی دیر کے لئے وہ مبہوت ہوگئی اس نے الماری میں کتاب کی تلاش کو ختم کردیا اور آہستہ آہستہ مالک کی میز کے پاس آکر دریافت کیا:۔

"کیا براہ کرم آپ مجھے مطلع فرما سکتے ہیں کہ ابھی آپ نے جس کتاب کی واپسی کے متعلق حکم دیا ہے وہ کس کی ہے اور اگر کوئی حرج نہ ہو تو مجھے دکھائیے کہ وہ کس موضوع پر لکھی گئی ہے۔"

اس نے یہ سن کر پہلے کچھ حیرت آمیز تامل کیا، لیکن پھر اس خیال سے کہ ایک خاتون کی درخواست کا مسترد کرنا آئین تہذیب کے خلاف ہے اُس نے جواب دیا کہ:-

"وہ کتاب مسٹر شہاب کی ہے جو کچھ عرصہ سے بمبئی میں مقیم ہیں اور علی گڑھ کالج کے نہایت ذہین و قابل گریجویٹ ہیں، لیکن بعض اوقات میں محسوس کرتا ہوں کہ اُن کا دماغ صحیح نہیں ہے اور جو کتاب اُنہوں نے بغرض اشاعت میرے پاس بھیجی ہے وہ غالباً اُسی وقت کی دماغی حالت کا نتیجہ ہے، جب وہ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے، اس کا نام اُنہوں نے "الہامات" رکھا ہے اور جس میں نوامیس فطرت پر فلسفیانہ انداز سے بحث کی ہے، لیکن وہ اس قدر دقیق ہے کہ لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور آپ جان سکتی ہیں کہ ایسی کتاب کی اشاعت سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، کیا آپ وہ کتاب دیکھنا چاہتی ہیں؟"

اختر:- "جی ہاں اگر کوئی حرج نہ ہو۔"

اُس نے اپنا چپراسی بھیجکر وہ کتاب منگائی اور اختر کو دے کر پھر اپنے کام میں لگ گیا۔

اختر نے سب سے پہلے اس کے سرورق کو دیکھا جس پر سُرخ

حرفوں میں "الہامات" (Revelations.) درج تھا اور اس کے نیچے (By:-Shehab.) از "شہاب" وہ شاید اب بھی یقین نہ کرتی کہ یہ وہی شہاب ہے لیکن جب اُس نے دوسرے صفحہ پر یہ عبارت بہ تہدیہ دیکھی :-

میں عنوان بناتا ہوں اس مجموعہ کا

" اس ستارۂ صباحی کو جو ہر رات میرے ساتھ اس دنیا پر
ایک مایوس نگاہ ڈالتا ہوا دامن اُفق میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے "

تو وہ سمجھ گئی اور اس نے مالک دوکان سے کہا کہ :-

" کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ مسٹر شہاب نے اس کا حق تصنیف کس قدر طلب کیا ہے ؟"

مالک :- ایک ہزار روپیہ "

اختر :- کیا ممکن نہیں کہ دوسرا شخص یہ رقم ادا کر کے اس کتاب کو خرید لے اور آپ اپنی طرف سے وہ رقم شہاب کو پیش کر دیں ؟"

مالک :- لیکن پھر بھی سوال اشاعت کا رہ جاتا ہے اور غالباً وہ اسکو منظور نہ کریں گے کہ اس کی اشاعت میں تعویق ہو "

اختر :- اس کی اشاعت کے مصارف کا اندازہ آپ نے کس قدر کیا ہے ؟"

مالک :- دو ہزار "

اختر:۔ اور مسٹر شہاب کے ذمّہ آپ کا کس قدر مطالبہ ہے؟"

مالک:۔ تین سو روپیہ"

اختر:۔ میں ممنون ہوں گی اگر آپ مسٹر شہاب سے دریافت کر کے مجھے اطلاع دیں کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کا زیادہ سے زیادہ کب تک انتظار کر سکتے ہیں اور اپنے کلرک کو منع کر دیں کہ آج انہیں وہ تحریر نہ بھیجے جس کے بھیجنے کا آپ نے حکم دیا ہے"

مالک دوکان نے جو اختر کے ہر سوال پر سراپا استفہام و استعجاب ہوتا جاتا تھا، اس کو کچھ تامل کے ساتھ منظور کر لیا اور اختر اس کا شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔

(۱۰)

طفیل:۔ اختر، یہ آج تمہارا حال کیا ہے، اگر تم سو کے نہیں اُٹھیں تو روئی ضرور ہو۔؟"

اختر:۔ نہیں ذرا کسلمند ہوں اور طبیعت مضمحل ہے۔ یہ تو فرمائیے دو تین دن سے آپ تھے کہاں؟"

طفیل:۔ ہاں خوب یاد آیا، میں تم سے کہنا ہی بھول گیا کہ محمود آئے ہیں اور میرے ہاں مقیم ہیں"

اختر:۔ آپ انہیں کیوں نہ لائے؟"

طفیل:۔ وہ آپ کے پاس آتے ہوئے ذرا ڈرتے ہیں"

اختر:۔ خوب، یہ آپ نے عجیب بات کہی، اچھا میں چلوں گی،

مجھے تو ڈر نہیں معلوم ہوتا۔ کب آئے ہیں؟ شہاب صاحب سے نہیں ملے؟"

طفیل "کل آئے ہیں اور صرف شہاب ہی سے ملنے اور اُن کو راضی کرنے، لیکن سوال تو یہی ہے کہ ملیں کیونکر، محمود کا تو یہ حال ہے کہ شہاب کے سامنے جانے کے خیال سے اُن کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔"

اختر، جو باوصف اس کے کہ اُس کی محبت بُری طرح ٹھکرائی جا رہی تھی، اس بات کو بھی کسی طرح گوارا نہ کر سکتی تھی کہ کوئی اور بھی شہاب سے شدید تعلق رکھے وہ چاہتی تھی کہ اس کے سامنے کانپنے والی ہستی صرف اسی کی ہو اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہ ہو، اس لئے اُس نے طفیل کی گفتگو کو سُنا اور خاموش رہ گئی، وہ دُنیا سے اپنے تمام تعلقات قطع کر کے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اب شہاب ہی کے تصور و خیال کے لئے وقف کر دینا چاہتی تھی اور اس نے عہد کر لیا تھا کہ شہاب جس قدر زیادہ اس سے نفرت کرے گا اسی قدر اس سے محبت کرے گی، اس لئے اب نہ اُسے طفیل کی باتوں میں کچھ لطف آتا تھا اور نہ وہ محمود کے واقعات و حالات سے دلچسپی لے سکتی تھی کہ ساری دُنیا سے منھ موڑ کر اپنی زندگی کو شہاب ہی کی خاموش پرستش کے لئے وقف کر دے اور بسا اوقات اُس نے اپنے تھیٹر کے کاروبار کو بھی بند کر دینا چاہا اور وہ شاید ایسا کر گزرتی، لیکن چونکہ شہاب کی مالی حالت اچھی نہ تھی جس کا علم اُسے ایک دن قبل کتب فروش کی دوکان پر ہو چکا تھا، اس لئے اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور اب زیادہ انہماک

کے ساتھ اس میں حصّہ لینا چاہتی تھی، تاکہ وہ زیادہ آزادی کے ساتھ شہاب کی خدمت کر سکے۔

طفیل، اختر کی خاموشی پر سکوت سے غور کر رہا تھا کہ خادم اندر آیا اور اُس نے ایک لفافہ اختر کو دیا، یہ لفافہ اسی کتب فروش کا تھا اُس نے لکھا تھا:۔

"معاف فرمائیے تعمیل ارشاد میں ذرا تاخیر ہوئی، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری تحریر کے جواب میں مسٹر شہاب نے میرے نمایندہ کو بلایا تھا، چنانچہ وہ آج دوپہر کو وہاں گیا ـــ مسٹر شہاب علیل تھے اور تپ شدید تھی اس لئے کوئی تفصیلی گفتگو تو نہیں ہو سکی، البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ وہ اس پر بھی راضی ہیں کہ اُن کی کتاب کبھی نہ شایع کی جائے، اس باب میں ہم آپ کی ہدایت کے منتظر ہیں"

اختر اس تحریر کو دیکھتے ہی ایسی گھبرا گئی کہ طفیل کو پوچھنا پڑا، لیکن اختر نے کوئی جواب نہ دیا اور اندر جاکر فوراً تیرہ سو چک لکھا اور کتب فروش کو ہدایت کی کہ:۔

"ہزار روپیہ فوراً مسٹر شہاب کو پہونچا دیجئے اور تین سو روپیہ اُن کی کتابوں کے حساب میں جمع کر لیجئے اسی کے ساتھ اُن کو اطلاع دیجئے کہ آپ کی کتاب کا معاوضہ ایک ہزار بھیجا جاتا ہے ـــ روپیہ کے مطالبہ کا کوئی ذکر نہ کیجئے، لیکن براہ کرم اس کا پورا

> لحاظ رہے کہ یہ راز میرے آپ کے سوا تیسرے شخص کے علم میں نہ آئے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس درخواست کو رد نہ فرمائیں گے۔ اس وقت دو بجے ہیں اور زیادہ سے زیادہ تین بجے تک آپ اس چیک کی رقم بنک سے وصول کرکے چار بجے تک اُن کو پہونچا سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس قدر تکلیف گوارا فرماکر مجھے ممنون ہونے کا موقع دیں گے۔ کتاب کا مسودہ کل میرے پاس گیارہ بارہ کے درمیان بھیج دیجئے۔

چیک بھیجکر وہ ادھر سے تو مطمئن ہوگئی، لیکن شہاب کی خبر علالت نے جو اضطراب پیدا کردیا تھا اس کے دور ہونے کی تدبیر اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی کیا وہ خود جائے؟ لیکن اس نے خیال کیا کہیں ایسا نہ ہو وہ ملنے سے انکار کردیں تو کیا طفیل د محمود کو بھیجا جائے؟۔ لیکن کس بہانہ سے اور یہ کہ اُن کا وہاں جانا اُس کے دل کو کیونکر مطمئن کرسکتا ہے، وہ دیر تک اندر بیٹھی ہوئی اسی اُلجھن میں مبتلا رہی اور آخرکار اس نے فیصلہ کرلیا کہ بعد مغرب خود جائے گی اب سوال یہ تھا کہ تین چار گھنٹے انتظار کے کیوں کر بسر کیئے جائیں سو اس کے متعلق اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس عرصہ میں وہ محمود سے جاکر مل آئے۔

محمود جو تین ماہ کے اندر اپنی حیات ازدواجی سے بخوبی سیر ہوچکا تھا اب پھر بمبئی آیا تھا تاکہ کسی طرح وہ شہاب کو راضی کرے، کیونکہ شہاب ہی ایک شخص تھا جس کی صحبت میں وہ حقیقی لطف زندگی کا حاصل کرتا تھا وہ سمجھتا

تھا کہ نکاح ہو جانے کے بعد اس کی زندگی کے لئے کوئی بہتر مشغلہ ہاتھ آجائیگا لیکن وہ حقیقت سے بے خبر تھا اور شاید اسے یہ خبر نہ تھی کہ سکینہ جب اس کی بیوی ہو کر گھر آئے گی تو وہ کسی کی بہو بھی ہو جائے گی، پھر شادی کے بعد ایک ماہ تک اسے اُس تغیر کی خبر نہیں ہوئی جو سکینہ کے آتے ہی گھر کی فضا میں ہو گیا تھا، لیکن اس کے بعد اس نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس کی مسرتوں میں کچھ تلخی بھی شامل ہے اور سکینہ کسی اندرونی خلش کی وجہ سے ہر وقت ملول و مضمحل رہتی ہے، ہر چند سکینہ نے دریافت کرنے پر ہر مرتبہ بات ٹال دی لیکن محمود کے تجسس نے آخر کار اُسے بتا دیا کہ اگر وہ خوش رہ سکتی ہے تو صرف اسی صورت سے کہ سکینہ کو لیکر علیحدہ رہے اور وہ اس پر قادر نہ تھا، کیونکہ ایک تو ابھی اس کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور دوسرے اس سبب سے کہ اس کے والد ہنوز زندہ تھے، اور ان کے سامنے کسی طرح وہ اس کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اس کی ماں اور بیوی کے تعلقات میں جو کشیدگی پیدا ہو گئی ہے، دور کر سکے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا اور آخر کار گھبرا کر پھر بمبئی چلا آیا کہ شاید پھر شہاب اس سے راضی ہو جائے اور چند دن اس کی لطیف صحبتوں میں اپنے تکدر کو دور کر سکے۔

ہر چند پہلے بھی وہ سمجھتا تھا کہ شہاب کا رام کرنا آسان نہیں ہے، لیکن بمبئی آ کر جب وہ اس سے زیادہ قریب ہو گیا تو اس کا خوف اور زیادہ بڑھ گیا اور شہاب کے پاس جانے سے اس کا بدن کانپنے لگا، ہر چند وہ جانتا تھا کہ شہاب اسے نکال نہ دے گا، اسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ اس سے باتیں بھی

کرے گا، لیکن یہ امر کہ وہ شہاب ہو کر اس سے ملے گا ——— ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ نہ طفیل کوئی رائے دے سکتا تھا اور نہ اختر کوئی تدبیر بتا سکتی تھی، لیکن اختر نے کہا کہ ہر چند میں دو ماہ سے اُن سے نہیں ملی ہوں، لیکن آج شام کو صرف آپ کی وجہ سے جاؤں گی اور کوشش کروں گی کہ آپ کے متعلق اُن کے خیالات معلوم کروں ممکن ہے کہ اب اتنے دن گزرنے کے بعد برہمی میں کچھ کمی ہو گئی ہو، ظاہر ہے کہ آپ سے ان کو شدید تعلق تھا اور کیا عجب ہے کہ آپ کی جُدائی کی تکلیف نے اُن کے اُصول میں کوئی تغیر پیدا کر دیا ہو، بہر حال کل تک اس مسئلہ کو ملتوی رکھیئے، لیکن خدا کے لئے بتایئے کہ آپ کیوں ایسے شخص کے گرویدہ ہیں جو محبت سے اس قدر بیگانہ اور خلوص کا اس درجہ دشمن ہے۔"

محمود "اختر صاحب، آپ نے شہاب کے متعلق رائے قائم کرنے میں غلطی کی ہے، میرے نزدیک اس سے زیادہ محبت کرنے والا انسان فطرت نے پیدا ہی نہیں کیا، لیکن یہ یقینی ہے کہ اس کے اُصول محبت عام لوگوں کے اُصول سے بالکل علیحدہ ہیں، مثلاً دُنیا کا دستور ہے کہ اپنا خلوص ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن شہاب کے لئے اس سے زیادہ قابل نفرت چیز اور کوئی نہیں ہے، اس سے کسی نے خلوص کا اظہار کیا اور اُسے اُس کے خلوص کی طرف سے شک پیدا ہوا، اس کے ہاں فلسفۂ احساس یہ ہے کہ جو "ننگا ہوں کی التجاؤں کو نہیں سمجھتا، اس کے سامنے زبان کو شرمندۂ تکلم نہ کرو" اس لئے آپ دیکھتی ہیں کہ دنیا میں اس کے ملنے والے مفقود ہیں اور نہ وہ کسی سے

ملنا پسند کرتا ہے، آپ یقین کیجئے کہ شہاب کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد ایک انسان اس کی پرستش پر مجبور ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ محبت و خلوص رکھنے والا، اس سے زیادہ ایثار کرنے والا اور اس سے زیادہ دانشمند مشیر میسّر نہیں آسکتا، میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اس کے برہم ہو جانے سے فطرت مجھ سے روٹھ گئی ہے اور زندگی کا لطف مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں نے شہاب کے کہنے پر عمل نہ کرکے اپنی حیات کو داغدار بنا لیا ہے اور اُس کی پیشین گوئیاں ایک ایک کرکے میرے سامنے آرہی ہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس کا علاج بھی وہی کر سکتا ہے اور اب اسی درد کو یہاں لے کر آیا ہوں، آہ، اختر صاحبہ افسوس ہے کہ آپ نے شہاب کا مطالعہ دور سے کیا ہے ورنہ شاید آپ سب سے پہلے اس کے دیوتا ہونے پر ایمان لے آتیں "

اختر: " حضرت دور ہی سے مطالعہ کرنے کی سزائیں مجھے ایسی سخت مل چکی ہیں کہ نزدیک سے مطالعہ کرنے کی ہمت مجھ میں مفقود ہو گئی ہے، علاوہ اس کے نزدیک کا مطالعہ کرنے والوں کی مثال بھی میرے سامنے موجود ہے خدا کے لئے آپ اُس زندگی کی دعوت مجھے نہ دیجئے جس کی تلخ کامیوں کا مشاہدہ کر چکی ہوں "

محمود: " نہیں، میں آپ کو دعوت نہیں دیتا، بلکہ ایک واقعہ کا اظہار کرتا ہوں، چونکہ آپ نے شہاب کے سمجھنے میں غلطی کی ہے، اس لئے میں نے اس غلطی کے دور کرنے کی کوشش کی، ورنہ میرے اُن کے درمیان جو معاملہ

ہے وہ نہ بیان ہوسکتا ہے اور نہ کوئی سمجھ سکتا ہے، بہرحال میں شکر گزار ہوں کہ آپ میرے لئے آج وہاں جانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گی لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کی گفتگو سے وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ تحریک میری طرف سے ہے اور ان کا یہ سمجھ لینا زیادہ مضر ثابت ہوگا۔"

(۱۱)

اختر چلنے کو تو چلدی' اور بالکل اس طرح جیسے کوئی مجرم عدالت گاہ کی طرف جاتا ہے یا رم خوردہ غلام اپنے آقا کے پاس، لیکن جس وقت فطری غیرت وخودداری کا خیال آتا ہے تو وہ کبھی یکسر استفہام ہو جاتی اور کبھی سراپا حیرت واستعجاب، وہ چاہتی تھی کہ راستہ سے لوٹ جائے، وہ کوشش کرتی تھی کہ شہاب کو اپنی صورت نہ دکھائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وقت اپنے کو بالکل ایسا ہی مجبور پاتی تھی جیسے کوئی عورت اپنی ساری کا پلو دوسرے کے ہاتھ میں پہونچ جانے کے بعد کہ مبادا کشمکش میں وہ کھل جائے۔

وہ چلی جارہی تھی اور ہر ہر قدم پر ایک دنیائے گفتگو' تیار کرتی جاتی تھی وہ شہاب کے مکان کے نزدیک ہوتی جاتی تھی اور اس کی نسائیت، کی ناز آفرینی شہاب کے خلاف دل ہی دل میں ایک دفتر الزامات بھی مرتب کرتی جاتی تھی، وہ خیال کرتی تھی کہ جب میں اس کے سامنے پہونچوں گی تو وہ اپنی تحریر پر یقیناً نادم ہوگا اور چونکہ ندامت انتہائی درجہ اعتراف قصور کا ہے اس لئے میں اس کے اس اعتراف کو قبول بھی کرلوں گی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ محبت کرنے والا دل اگر ایک طرف خدائے تاویلات ہے تو دوسری طرف وہ پرستار حقائق بھی ہے

جب تک خیال کی دنیا سے اُسے واسطہ ہے وہ ایک بادشاہ ہے لیکن جہاں حقیقتوں سے دوچار ہوا، وہ سراپا احتیاج و سوال نظر آنے لگتا ہے جس وقت تک اختر وہاں نہ پہونچی تھی، وہ دلائل و براہین، حقوق و مطالبات، کے دشنہ و خنجر سے اپنے کو ہمہ تن آراستہ پاتی تھی لیکن جس وقت وہ شہاب کے سامنے پہونچی تو سوا رعشہ و لرزش کے کچھ نہ تھی، شہاب باوجودیکہ اُسے تپ شدید تھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا، اُس نے اُٹھ کر اختر کی پذیرائی کی اور چاہا کہ اس سے ہاتھ ملائے لیکن اُس نے ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا کہ مبادا وہ ہاتھ کی غیر معمولی گرمی سے اس کی تپ کا حال جان لے، اختر یہ خیال دل میں لیکر آئی تھی کہ شہاب بستر پر پڑا ہوگا، کراہ رہا ہوگا، اس کی تیمارداری کرے گی، رات بھر جاگ کر کاٹ دے گی، لیکن اسے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ وہ اس وقت بھی نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ کام میں مصروف تھا، تاہم خلاف معمول اس کے ہاتھ نہ ملانے سے اور چہرہ کی تمازت و سُرخی سے سمجھ گئی کہ تپ تو ہے لیکن وہ اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔

چونکہ اختر کو ایک نوع کی شکست ہوئی تھی، اس لئے اُس نے اپنی ذہانت ثابت کرکے شہاب کے ضبط سے انتقام لینے کے لئے آخرکار یہ کہہ ہی دیا کہ "جب آپ کی طبیعت خراب ہے تو کیوں اس قدر محنت کرتے ہیں؟"

شہاب: "یہ آپ سے کس نے کہا"

اختر: "آپ کے چہرہ کی غیر معمولی تمتماہٹ نے"

شہاب: "کیا مسرت سے ایسا ہونا ممکن نہیں؟"

اختر :۔ لیکن ہر ممکن بات واقعہ تو نہیں ہوتی :۔

شہاب :۔ آپ ممکن کو کہتی ہیں ؛ میں تو سمجھتا ہوں کہ دنیا میں وہ بات بھی جس کو محال ہونا چاہیئے بسا اوقات واقعہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کی مثال آپ کا یہاں تشریف لانا ہے، خیر میں اس ذکر کو چھوڑتا ہوں ورنہ آپ پھر میرے اوپر کوئی الزام رکھ کر خود ہی برہم ہو جائیں گی۔ ہاں یہ تو فرمایئے آج کل آپ کے مشاغل کا کیا حال ہے؟"

اختر :۔ خیر شکر ہے کہ اگر آپ کو میرے حال کی پروا نہیں تو میرے مشاغل کی طرف تو اعتنا ہے :۔

شہاب :۔ اس لئے کہ آپ کا حال اسی سے وابستہ ہے (معاف کیجئے میں ماضی و مستقبل سے بحث نہیں کرتا) اور اگر اس سے " ذہنیات " کی دنیا مراد ہے سو اس سے میرا بے خبر رہنا ہی اچھا تاکہ میں اپنی درماندگی سے آگاہ ہوں اور مشکل سے کسی کے درد تمنا کا حریف ہو سکتا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں کہ میرا آپ کی اس تحریر پر، جس کا جواب سوا میرے ہر شخص کی طرف سے صرف " سپردگی " ہو سکتا تھا، اس قدر سخت لکھ دینا، صرف اسی لئے تھا کہ میں جذبات محبت کی حقیقی عزت کرنے کا اہل نہیں ہوں اور میرے کیش میں کفر ہے کہ جو بات میرے امکان میں نہ ہو اس کے متعلق کسی کے دل میں کوئی غلط توقع قائم کروں :۔

اختر :۔ خیر جانے دیجئے، یہ تو میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں اور اس وقت میرے آنے کا مقصود شکایت پیش کرنا نہ تھا بلکہ صرف خیریت مزاج معلوم

کرنے اور آپ سے رخصت ہونے کے لئے آئی تھی۔"

شہاب: "کس طرف کا قصد ہے، کیا بمبئی سے زیادہ ہنگامہ پسند دنیا کوئی اور آپ نے تلاش کرلی ہے؟"

اختر: "ہاں ایک دنیا خلوت و گوشہ گیری کی ایسی ہے جہاں میرے لئے بمبئی کی فضا سے زیادہ ہنگامہ ہے اور اسی کی تلاش میں یہاں سے جا رہی ہوں، آپ ایسی صورت میں کس جگہ کا انتخاب کرتے؟"

شہاب: "میں؟ میرے لئے تو ہر وہ جگہ جہاں میں بیٹھ جاؤں ایک مکمل خلوت کدہ ہے، کیونکہ میرے نزدیک خلوت کے لئے کسی غیر آباد اور سنسان مقام کا ہونا ضروری نہیں بلکہ خود اپنا عمق قلب کافی ہے جہاں ہنگامۂ حشر کی بھی رسائی نہیں۔"

اختر: "یہ صحیح ہے لیکن میرے دل کی گہرائیاں تو مجھ سے چھین لی گئی ہیں اور میں اس حد تک مجبور ہوں کہ اُس چھین لینے والے کا نام بھی نہیں لے سکتی۔"

چونکہ شہاب کی تپ تیز ہوتی جا رہی تھی اس لئے وہ اُٹھا کہ آرام کرسی پر جا کر لیٹ رہے لیکن اُٹھتے ہی اس کا دماغ چکرایا اور قبل اس کے کہ اختر بڑھ کر اس کو سنبھالتی وہیں فرش پر چکرا کر گر پڑا۔

شہاب کی علالت کو ایک ماہ سے زاید زمانہ گزر گیا اور اس دوران میں اختر و محمود نے اپنے اوقات کا اکثر حصہ اس کی تیمارداری میں صرف کیا۔ اول اول تو اسے ہوش ہی نہ تھا کہ کون اس کا معالج ہے اور کون تیماردار،

لیکن جب ذرا مرض میں تخفیف ہوئی اور اُس نے آنکھ کھول کر سب سے پہلے محمود کو دیکھا تو یقیناً اُس کے چہرہ پر مسرت کے آثار نمودار ہوئے لیکن وہ معمولی مزاج پرسی کے حدود سے آگے نہیں بڑھا۔

اختر جس محبت و خلوص کے ساتھ اس کی تیمارداری میں مصروف تھی اُسے شہاب اچھی طرح محسوس کر رہا تھا اور اس لئے وہ بے چینیاں جو ایک منت پذیری کا بار برداشت نہ کر سکنے والے دل میں پیدا ہو سکتی ہیں اندر ہی اندر اس کو مضطرب کر رہی تھیں، وہ چاہتا تھا کہ اب یہ منظر کسی طرح ختم ہو، وہ کہتا تھا کہ "میری حالت اب اس قدر زیادہ توجہ کی محتاج نہیں"۔ لیکن اختر مسکرا کر، ہنسکر ٹال جاتی اور وہ پھر اُس خاموشی کے ساتھ جو ضبط کی آخری حد ہے سر جھکا کر رہ جاتا۔

زمانہ گزرتا گیا اور شہاب کی حالت سنبھلتی گئی حتیٰ کہ صرف ضعف باقی رہ گیا۔ ایک شام جب کہ شہاب کے پلنگ کے پاس اختر کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا اور ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق ضربات نبض شمار کرنے کے لئے شہاب کی کلائی کو اپنی نازک انگلیوں کی گرفت میں لیے ہوئے تھی تو پہلی مرتبہ شہاب نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ کی نرمی اس کے دل کو متاثر کر رہی ہے اور وہ ایک خاص قسم کی حرارت و تپش محسوس کر رہا ہے، اس نے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور کہا کہ "اب تو میں اچھا ہوں، ڈاکٹر کی ہدایت پر اس قدر سختی کے ساتھ عمل نہ کیجئے کہ بس ہمیشہ اپنے کو بیمار سمجھنے پر مجبور رہوں، علاوہ اس کے یوں بھی آپ جب دیکھیں گی قلب و نبض کی حرکت سریع ہو جائے گی اور میں اسی طرح علیل بنا رہوں گا"۔

اس کے بعد جب دونوں طرف سکوت طاری ہو گیا اور کچھ دیر بعد شہاب نے جو دیر سے دل ہی دل میں اختر کے لطف و ایثار کا تجزیہ کر رہا تھا، دفعتہً یہ سوال کیا کہ :-

" اختر صاحبہ اگر آپ کے ساتھ کوئی شخص اسی قدر لطف و محبت کا سلوک روا رکھتا جو آپ کی طرف سے میری بیماری کے زمانہ میں ظاہر ہوا تو آپ کیا کرتیں ؟"

اختر جو کبھی شہاب کی طرف سے ایسے سوال کی توقع نہ کر سکتی تھی یہ سُن کر حیرت زدہ سی ہو گئی اور ایک منٹ تامل کرنے کے بعد اُس نے جواب دیا کہ :-

" اول تو میری طرف سے کوئی خاص بات ایسی ظاہر نہیں ہوئی جسے آپ غیر معمولی لطف و محبت سے تعبیر کریں، اور اگر میں اسے تسلیم بھی کر لوں تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا کیونکہ مجھے معلوم ہی نہیں اس کی لذت کیا ہے اور دل اس نوع کے خلوص سے کس حد تک متاثر ہوتا ہے، آپ ہی ارشاد فرمائیے "

شہاب " میں تو ایسی صورت میں اس سے ملنا ترک کر دیتا یا اس کو مجبور کرتا کہ جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کرے "

اختر ہر چند اس وقت تک ایک خاص قسم کا حزن و ملال اپنے دل میں لئے ہوئے تھی لیکن شہاب کے اس جواب پر بے اختیار مسکرا دی اور بولی کہ :-

" میری رائے میں آخری فقرہ کچھ اضافہ کا محتاج ہے اور وہ یہ کہ جب

وہ میرے کہنے پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتا تو میں اس سے کہتا کہ اب تم مجھ سے نہ ملو۔"

شہاب (مسکراکر) "آپ بڑی خطرناک حد تک ذہین ہیں، میں سمجھتا ہوں آپ کے اس جملہ کی روح کو گویا آپ پہلے سے سدباب کرنا چاہتی ہیں کہ اگر میرے دل میں یہ خیال بھی ہو تو نکال دوں لیکن آپ یقین کیجئے کہ میرے ذہن میں یہ بات نہ تھی، ورنہ آپ کے اس کہنے پر بھی میں اس کہنے سے باز نہ آتا۔"

اختر۔ "تو پھر فرمایئے، کوئی حکم دیجئے میں اس کی تعمیل کروں۔"

شہاب۔ "فی الحال میری التجا یہ ہے کہ آپ ہفتہ میں دو بار سے زائد آنے کی تکلیف گوارا نہ کیجئے اور وہ بھی شام کو صرف ایک گھنٹے کے لئے"

اختر اس کا جواب کچھ دینا ہی چاہتی تھی کہ طفیل آگیا اور اس کے پیچھے ڈرتے ڈرتے محمود بھی، شہاب نے اس خیال سے کہ براہ راست محمود سے گفتگو کرنے کا موقع نہ ملے، ان لوگوں کے آتے ہی طفیل کو اپنا مخاطب بنا لیا اور دریافت کیا کہ:-

"آپ نمائش گاہ گئے تھے؟"

طفیل سمجھ گیا کہ شہاب کا اصل مقصود کیا ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ "گیا تو تھا لیکن نہایت عجلت میں، محمود نے وہاں زیادہ گہرا مطالعہ کیا ہے اور بعض مجسموں اور تصویروں کو بہت غور سے دیکھا ہے۔"

شہاب۔ "میں تو آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں، سنا ہے کہ

فیروز کا بُت اور جہانگیر کا نقش زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان کا موضوع کیا ہے؟"

طفیل:"مجسمہ کا موضوع تو حقیقتاً "پرستش آتش" ہے۔ ایک حسین لڑکی پرستش کے تمام جذبات اپنے خدوخال میں لیئے ہوئے گردن جھکائے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے سامنے ایک شعلہ کی پرستش کر رہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ نمایش گاہ کا بہترین بُت ہے لیکن مجھے تو عنوان نے اور زیادہ لطف دیا (محمود سے مخاطب ہوکر) کیا فقرہ ہے تمہیں یاد ہوگا"

محمود۔ Chase after happines...

"اختلاط شعلہ و بلور"

شہاب:"ممکن ہے مجسمہ مجسمہ ہونے کے لحاظ سے اچھا ہو لیکن میرے نزدیک یہ عنوان اس کے لئے حد درجہ ناموزوں ہے، بت ساز کا اصل خیال یہ ہے کہ وہ پرستش کی حالت میں عورت کو بھی قابل پرستش قرار دیتا ہے اس خیال کا منظر اس نے غلط منتخب کیا، یہ خیال صرف تصور میں بدرجۂ اتم ظاہر ہوسکتا ہے، کیونکہ جب تک شعلہ و بلور کا فرق نہ ظاہر کیا جائے اور پھر اسی کے ساتھ شعلہ کے اثر سے بلور کا رنگین ہونا اور بلور کے اثر سے شعلہ میں صباحت کا پیدا ہونا نہ نمایاں ہو، اس عنوان کا مصداق پیش نظر ہو ہی نہیں سکتا، پھر اک پرستار جمیل کے چہرہ کا آتش مقدس کے سامنے ارغوانی ہو جانا اور آتش مقدس کا حسن صبح کے روبرو کسب بلور

کرتا' ایک مجسمہ میں کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے۔ یہاں ایک جسم جامد اور بت تراش کا اوزار بیکار ہے' اس کے لئے صرف سطح و رنگ کی ضرورت ہے ہاں جہانگیر کی تصویر کا موضوع کیا ہے ؟

طفیل "تصویر کا موضوع بالکل ظاہر نہیں کیا گیا اور غالباً یہی جدت ہے جس نے اُس کو اور زیادہ شہرت دیدی ہے' جہانگیر نے اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص اس تصویر کا موضوع بتا دے گا اس کو یہ نقش تحفتہً دیا جائے گا"

شہاب "کیا آپ تصویر کی کیفیت بیان کر سکتے ہیں ؟"

طفیل "ایک سوار ایک عورت کو پامال کرتا ہوا اپنے گھوڑے کو نہایت تیزی سے دوڑائے جا رہا ہے اور اس کے آگے ایک حباب رنگین ہوا میں اُڑتا چلا جا رہا ہے' پیچھے ایک انسانی مجسمہ ہے جو سوار کے سر کے قریب نظر آتا ہے —— یہ ہیں تصویر کے نقوش"

شہاب "سوار کی عمر و وضع کیا ہے ؟"

طفیل "سوار جوان ہے اور اس کی وضع سے رنگین مزاجی ظاہر ہوتی ہے"

شہاب "(ذرا تامل کرنے کے بعد) طفیل صاحب' یہ تصویر تو آپ کی ہو گئی ؟"

طفیل "کیا موضوع آپ کی سمجھ میں آگیا ؟"

شہاب "یقیناً اور اگر میرے بتائے ہوئے موضوع کے خلاف مصور نے کسی اور خیال کو ظاہر کیا ہے تو بالکل لغو ہے"

طفیل: بتائیے میں تصویر ملنے پر حاضر کروں گا۔"

شہاب: میں بتاتا ہوں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اختر صاحبہ اس تصویر کو قبول کریں، کیونکہ میرے نزدیک اس سے درس حاصل کرنے کی ضرورت انہیں کو ہے۔"

اختر: مجھے منظور ہے اور میں اس تصویر کو نہایت عزت کے ساتھ رکھوں گی۔"

شہاب: اچھا تو سنئے:۔ سوار سے مقصود نوع انسان ہے یا انسان کی وضع کی ہوئی موجودہ تمدن کی ہیئت اجتماعی۔ حباب رنگین سے اس نے دنیاوی مسرتیں مراد لی ہیں اور مجسمہ سے موت یا انقطاع مسرت، عورت سے جس کو سوار روندتا ہوا جارہا ہے وہ جماعت بشری مراد ہے جس کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہم مسرت کی جستجو میں جس کی حقیقت ایک حباب یا بلبلہ سے زیادہ نہیں ہے بہت سی حقیقتوں کو پامال کرتے ہوئے گزر رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ موت ہر وقت سر پر سوار ہے، اس لئے میرے نزدیک اس کا بہترین عنوان صرف ——— (تعاقب مسرت) (Chase after happiness.) ہوسکتا ہے۔"

طفیل: حقیقت یہ ہے کہ آپ سا ذہین انسان ہونا مشکل ہے مجھے یقین ہے کہ اگر مصور نے کسی اور خیال سے یہ تصویر بنائی بھی ہے تو بھی وہ اس عنوان کو سن کر اپنا خیال بدل دے گا۔"

اختر جو شہاب کی اس فراست کو دیکھ کر عجیب مسرت محسوس کر رہی تھی اور برہنائے محبت چاہتی تھی کہ شہاب ہی کی طرف سے یہ خیال پیش کیا جائے، بولی کہ:-

"کیوں نہیں آپ اس خیال کو مفصل طور پر لکھ دیتے کہ طفیل صاحب آپ کی طرف سے پیش کریں"

شہاب "معاف کیجئے، میں اس طرح کے اسباب افتخار صرف تقسیم کرتا ہوں، خود اُن سے کام نہیں لیتا"

اس کے بعد تھوڑی دیر تک اور گفتگو رہی اور پھر طفیل و اختر دونوں قصداً اُٹھ کر چلے گئے، تاکہ محمود اور شہاب تنہائی میں مل سکیں، شہاب نے اس کو محسوس کیا اور محمود سے مخاطب ہو کر بولا:-

"غالباً آپ (محمود کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اُسے شہاب نے لفظ آپ سے مخاطب کیا ہو) برہم ہوں گے کہ میں نے اس وقت تک آپ سے گفتگو نہیں کی۔ لیکن آپ واقف ہیں کہ آج ہی میں ایک انجمن میں شریک ہونے کا اہل ہوا ہوں، بیماری کے دوران میں آپ نے جس محبت اور دل سوزی سے میری تیمارداری کی ہے اس کا احساس مجھے ہے اور بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے مجھ پر اس کا شکر لازم ہے لیکن خیر یہ تو بتائیے کہ آپ اب یہاں کیوں آئے ہیں"

محمود "میں یہاں اسی لئے آیا ہوں کہ آپ سے اپنی غلطی کی معافی چاہوں اور جس طرح ممکن ہو آپ کی وہی شفقت پھر حاصل کروں جس پر میں

اس سے قبل ناز کیا کرتا تھا۔ بہرحال ایک انسان ہوں اور انسان بھی معمولی فہم و ادراک کا، اگر کسی جذبہ کی بنا پر (خواہ وہ کیسا ہی ناجائز کیوں نہ ہو) میں نے حقیقت سے انحراف کیا اور آپ کے فرمان کی تعمیل سے قاصر رہا تو ایک خاطی و گناہگار کی حیثیت سے مجھے سزا دیجئے لیکن ہلاک نہ کیجئے۔"

شہاب۔ "یہ آپ کیا فرماتے ہیں، کس کی خطا اور کیسا گناہ، آپ نے ایک کام کو اپنے لئے بہتر سمجھا، کیا میں اس کا مخالف تھا خاموش ہو گیا، اب سزا اور ہلاکت کا ذکر کیا، یقیناً میں آپ کو اچھا سمجھتا ہوں، آپ کو جو تعلق میرے ساتھ ہے اُسے محسوس کرتا ہوں، لیکن یقین کیجئے کہ میرے آپ کے درمیان ایک خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا محال ہے، اس لئے اب آپ اس کا تو ذکر ہی نہ کیجئے اور ہمیشہ اس کا یقین رکھئے کہ میں دشمن ہونے کی حالت میں بھی آپ کے مخلص ترین احباب سے بہتر ثابت ہوں گا۔"

محمود۔ "اس کا مجھے یقین تھا اور ہمیشہ رہے گا، لیکن میں تو آپ سے کچھ اس سے زیادہ چاہتا ہوں اور میری اس خواہش کی حقیقی روح آپ پر ظاہر ہے۔"

شہاب۔ (گھڑی دیکھ کر) "آپ تکلیف کر کے دوا اُٹھا دیجئے اور پھر وہ سُرخ جلد کی کتاب جو میز کے کنارے نظر آ رہی ہے، کرسی پر لیٹ کر دیکھئے میں ذرا کسلمند ہو گیا ہوں اور آنکھیں بند کر کے کچھ دیر خاموش رہنا چاہتا ہوں۔"

(۱۲)

آپ نے یقیناً کبھی بالوں کی اُس نم آلود خنکی کو محسوس کیا ہوگا جو نہانے کے بعد خشک ہو جانے پر بھی باقی رہ جاتی ہے، بس ایسی ہی ایک شام تھی جب شہاب ساحل قلابہ کے پتھروں پر بیٹھا ہوا ماہتاب کے بلند ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا، مغرب کی طرف بہت دور سمندر کا وہ افقی حصہ جہاں پانی کی سطح کچھ بلند نظر آتی ہے ایک سیمیں خط بنتے بگڑتے نظر آ رہا تھا اور شہاب نہایت غور سے اس خط کے تابناک اضطراب کو دیکھ رہا تھا۔ اِدھر چاند کی دیوی اپنی مینائے سیمیں سے ہلکے رنگ کی شراب زریں چھلکاتی ہوئی نمودار ہو رہی تھی اور سطح آب پر سایہ کی تاریکی جو مشرق کی جانب سمٹتی جا رہی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر بیدار ہو کر آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہا ہے آخر کار چاندنی بڑھی اور تمام سرزمین بمبئی پر پھیل گئی۔

سمندر کا جوش بڑھ رہا تھا اور ساحل اُن جاذب نظر روشنیوں کو لئے ہوئے جن کا جھلملانا حقیقتاً ایک انسان کے لئے صرف دعوت معصیت ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹتا جاتا ہے اور بلند لہروں کے لئے جگہ چھوڑتا جا رہا ہے۔

شہاب جس کی صحت اب بالکل اعتدال پر تھی غور کر رہا تھا کہ اگر چاند جس کی صورت دیکھ کر سمندر اس قدر بیقرار ہو جاتا ہے، قریب تر آ جائے اور زمین اپنی کشش کو ذرا ضعیف کر دے تو کیا ہو؟ سارے سمندر کا جوش کھا کر بلند ہونا اور زمین کی سطح سے لیکر چاند کی سطح تک نیچے سے اوپر کی طرف

چڑھنے والی ناقابل اندازہ وسعت رکھنے والی درخشاں آبشار میں تبدیل ہو جاتا، یقیناً یہ ایسا منظر نہیں ہے کہ انسان کا متخیلہ بھی اس کی صورت گری کر سکے، اس کا خیال ابھی اسی حد تک پہونچا تھا کہ اس کی پشت کی طرف کوئی شخص بنچ پر آکر بیٹھا اور اس کی آہٹ سے اس کی تمام کارگاہ خیال اس طرح سمٹ کر اپنے مرکز پر آگئی جیسے کوئی چھوئی موئی کے درخت کو ہاتھ لگا دے۔

شہاب نے پیچھے مڑکر آنے والے کو دیکھا وہ ایک نوعمر لڑکا تھا اور اپنی وضع سے کسی غریب مسلمان کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ شہاب نے اپنا منھ پھیر لیا اور دیر تک کسی فکر میں مستغرق رہنے کے بعد اٹھا اور اسی بنچ پر آکر بیٹھ گیا جہاں وہ لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکا اٹھا اور نیچے اتر کر پتھروں پر بیٹھ گیا شہاب جو اس کی ایک ایک حرکت پر غور کر رہا تھا، اس کی شائستگی سے بہت متاثر ہوا اور بولا:۔

"تم یہاں سے اٹھ کر کیوں چلے گئے؟"

لڑکا:۔ "جی؟"

شہاب:۔ "میرے پاس آؤ۔ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

لڑکا پہلے تو ڈرا، لیکن بعد کو جب شہاب نے زیادہ شفقت آمیز لہجہ میں اصرار کیا تو وہ اٹھ کر آیا اور ایک کونہ میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔

شہاب:۔ "تمہارا کیا نام ہے؟"

لڑکا:۔ "مجھے سعید کہتے ہیں"

شہاب:۔ "تم کہیں پڑھتے ہو؟"

"جی ہاں پڑھتا تھا لیکن اب ایک مہینے سے پڑھنا چھوٹ گیا ہے۔"

"کیوں"؟

"نوکری کی تلاش میں ہوں۔ سیٹھ اسمٰعیل نے مجھے اس وقت بلایا تھا وہ مکان پر ملے نہیں تو یہاں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہ دیا کہ پڑھنا کیوں چھوڑ دیا۔ کیا تمہارا جی نہیں لگتا؟"

"جی لگنے سے کیا ہوتا ہے" یہ کہا اور مضمحل ہو کر خاموش ہو گیا۔

"تمہارا اصلی وطن کہاں ہے؟"

"جلال آباد"

"تمہارے والد یہاں کیا کرتے ہیں؟"

"ایک مہینہ ہوا کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔"

شہاب جو اس حقیقت کو پہلے ہی سمجھ گیا تھا، تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر پوچھا کہ:-

"تمہاری والدہ تمہیں گھر کیوں نہ لے گئیں؟"

"گھر میں اوّل تو کوئی ہے نہیں اور دوسرے یہ بات ہے کہ کرایہ کے لئے اتنا روپیہ کہاں سے آئے، میرے والد چھ مہینے تک بیمار رہے اور اُن کی بیماری میں میری والدہ نے سارا زیور اور گھر کا سامان بیچ بیچ کر علاج میں لگا دیا اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ کہیں نوکری مل جائے تو کر لوں۔"

"تمہارے کوئی بڑا بھائی نہیں ہے؟

"بھائی تو ہے لیکن مجھ سے چھوٹا ہے، دو بہنیں ہیں ایک مجھ سے بڑی دوسری چھوٹی۔"

"کیا تمہاری والدہ کا کوئی عزیز ایسا نہیں ہے جو مدد کرے اور یہاں سے لے جائے؟"

"والدہ نے اپنے ایک عزیز کو جو دور کے رشتہ سے ماموں ہوتے ہیں خط لکھوایا تھا، لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔"

"یہاں کس جگہ مکان ہے؟"

"پہلے جس مکان میں رہتے تھے وہ تو چھوڑ دیا اس کا کرایہ زیادہ تھا اب ایک کوٹھری بھنڈی بازار کے قریب لے لی ہے اور وہیں رہتے ہیں۔"

"تمہارے والد یہاں کتنے عرصہ سے تھے اور کیا کرتے تھے؟"

"بہت زمانے سے یہیں تھے اور ایک مطبع میں کتابیں صحت کرنے کا کام کرتے تھے۔"

"کیا تنخواہ ملتی تھی؟"

"تنخواہ تو کوئی مقرر نہ تھی، جتنا کام ہو جاتا تھا اس کی مزدوری مل جاتی تھی۔"

"تمہارے والد کا کیا نام تھا؟"

"مولوی حمید الحسن"

"سیٹھ اسمٰعیل کو تم کب سے جانتے ہو؟"

"کل مطبع میں منیجر صاحب کے پاس گیا تھا کہ کوئی کام میرے لایق ہو تو

مجھے بھی نوکر رکھ لیں، وہیں کسی کام سے سیٹھ اسمٰعیل بھی آئے تھے انہوں نے میرا حال پوچھ کر کہا کہ تم کل شام کو یہاں میرے مکان پر آنا، میں بچوں کی خدمت کے لئے نوکر رکھ لوں گا۔"

"کچھ تنخواہ بھی بتائی تھی کہ کیا دیں گے؟"

"پندرہ روپیہ اور کھانا کہتے تھے۔"

"اگر تم میرا کہنا مانو تو کچھ کہوں۔"

"مانوں گا آپ فرمائیے۔"

"تم ابھی کہیں نوکری نہ کرو، اور کل مغرب کی نماز کے وقت بھنڈی بازار کی جمعہ مسجد کے دروازہ پر ملو اور مجھے اپنا گھر دکھاؤ۔"

"میں والدہ سے پوچھ لوں۔"

"ہاں ضرور پوچھ لینا اور کل مجھ سے بتانا کہ انہوں نے کیا کہا۔"

یہ کہہ کر شہاب نے جیب سے دس روپیہ کا نوٹ اور ایک روپیہ نکالا اور کہا کہ:-

"یہ نوٹ لیجا کر اپنی والدہ کو دینا اور روپیہ بھنا کر ٹرام کا کرایہ ادا کرنا۔"

غریب لڑکا جو کبھی اس کی توقع نہ کر سکتا تھا کہ اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوگا اور جس کو کبھی اپنی عمر میں اتنی رقم یکمشت نہ ملی تھی، گھبرا گیا اور اول اول لینے میں تامل کرنے لگا، لیکن شہاب کے اصرار پر راضی ہو گیا اور ایک ایسی مسرت کے ساتھ جو شاید اس سے قبل غریب کو کبھی نصیب نہ ہوئی تھی سلام کر کے

رخصت ہو گیا۔

(۱۳)

شہاب کو صحیح و توانا ہوئے ایک ماہ سے زیادہ زمانہ ہو گیا ہے اور اختر جو ہفتہ میں دو بار سے زیادہ شہاب سے نہیں مل سکتی مایوسی کی اس حد تک پہونچ گئی ہے جہاں اضطراب ختم ہو کر سکون میں تبدیل ہونے لگتا ہے محمود جو بمبئی میں صرف شہاب کو راضی کرنے آیا تھا ایک طرف گھر کے خطوط اور بعض ناخوشگوار واقعات سے متاثر ہو کر اور دوسری طرف یہ محسوس کر کے کہ شاید اب شہاب اس کی پذیرائی نہیں کر سکتا، کچھ عرصہ تک پُر اضطراب زندگی بسر کرنے کے بعد تمام آلام و مصائب دور کرنے کے لئے اپنے عنفوانِ شباب سے اپیل کر چکا ہے اور آہستہ آہستہ اس میں وہ آزادی پیدا ہو جاتی ہے جو ایک پُر شباب انسان کی فطرت کا اقتضا ہے اور جس کا ساتھ دینے کے لئے بمبئی کا ذرہ ذرہ آمادہ ہو جاتا ہے۔

طفیل جو اپنے انداز و اطوار اور اپنے ایثار و قربانی کے لکچروں سے جنس لطیف کے مفتوح کرنے میں ید طولیٰ رکھتا ہے، حال ہی میں ایک بازاری مگر متمول عورت کو اپنا گرویدہ بنا کر معاش کی طرف سے فی الجملہ مطمئن ہو گیا ہے۔

رات کا وقت ہے محمود اور طفیل دونوں تھیٹر میں بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہیں کہ دفعۃً پردہ اُٹھتا ہے اور اختر اپنی تمام رعنائیوں اور دلربائیوں کے ساتھ جو اسٹیج پر اُسے آسمانی دیوی بنا کر پیش کرتی ہیں نمودار ہوتی ہے اس کی ساری کا وہ زرکار پلو جو روشنی میں اپنے اندر بجلیاں لئے ہوئے نظر آتا

ہے، سر پر پڑا ہوا ہے اور اس کے ضو سے پیشانی پر پیدا ہونے والی روشن لرزش دلوں کو مسحور کر رہی ہے، وہ تمام ترشاہانہ اداؤں کے ساتھ اس کی قامت کی رعنائی، وہ یکسر برق پاش کیفیتوں کے ساتھ اس کی حسین آنکھوں سے چھلک پڑنے والا تبسم، وہ بیک وقت جانفرسا و حیات بخش اثرات کے ساتھ چہرہ کے رنگ میں امتزاج شعلہ وبلور، وہ تمام ممکن التہابات کے ساتھ ایک ایک عضو سے پھوٹ پڑنے والا شباب، یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج وہ دنیا سے آثار حیات مٹا دینے کی قسم کھا کر آئی ہے اور ادھر دنیا بھی اس کے قدموں پر جان دینے کے لئے اشارہ کی منتظر ہے۔

محمود اور طفیل نے ایک دوسرے کو دیکھا، آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا اور پھر خاموشی کے ساتھ اپنی نگاہوں کو اُدھر پھیر لیا یہ وقت وہ تھا جب اختر رقص کے لئے آمادہ ہو کر دونوں ہاتھ کو ملائے ہوئے صرف گھونگروؤں میں ساز کے ساتھ جنبش پیدا کر رہی تھی، یہ جنبش اس کی نازک کمر اور حسین گردن میں ہلکی سی موج پیدا کرتی ہوئی مقیش کی اس جھالر میں جا کر قرار لیتی تھی جو سفاکانہ بانکپن کے ساتھ اس کے گوشۂ ابرو پر پڑی ہوئی مچل رہی تھی۔ وہ اسی طرح اپنے پاؤں کو جنبش دیتی رہی، وہ اسی طرح ارتعاش خفی کا افسوں اپنے جسم کے ہر ہر عضو سے پیدا کرتی رہی، یہاں تک کہ تھیٹر کی ساری فضا اس کپکپی سے معمور ہو گئی اور ہر دیکھنے والے کی روح اس لرزش سے بیتاب۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ شانہ کی سطح تک لا کر کئی جگہ نشیب و فراز پیدا کرتے ہوئے ایک طرف سیدھا کر دیا اور نرم و نازک کلائی میں ایک ہلکا سا بل نمایاں کرتے ہوئے ہاتھ کی انگلیوں

کو اُن کی پوری درازی تک تان کر پنجہ کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جیسے اُس کو کسی نے دِکھلا یا ہے، یہ تھی اُس کے اعضائے رقصیہ کی پہلی حرکت — جو مختلف سازوں سے نکلنے والی آواز پر حکومت کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، وہ آگے بڑھی لیکن چاندنی کی طرح غیر محسوس طور پر، وہ پیچھے ہٹی لیکن سایہ کی طرح نہایت سُبک انداز سے اُس نے اپنا داہنا ہاتھ اُلٹ کر سر پر رکھ لیا اور اپنی لانبی گردن میں خفیف سا متکبرانہ خم، سرین میں ہلکی سی مغرورانہ کشش، ابروؤں میں ایک سفاکانہ بانکپن اور آنکھوں میں ایک شاہانہ استغنا ظاہر کر دینے والی نیم خوابانہ کیفیت پیدا کر کے دیر تک اہل محفل کے صبر و ضبط کا امتحان لیتی رہی اور پھر ایک فاتحانہ تبسم کے ساتھ اس نے ایک ایسے نغمہ کی ابتدا کی جو کیسر تصویر شباب و مستی تھا، اس کی آواز جس میں علاوہ کشش نسائی کے تکمیل فن کی بھی پوری جاذبیت موجود تھی، بلند ہوئی اور موسیقی کی وہ لذتیں جو ایک پُرشباب حسن ہی کی طرف سے پیش کی جا سکتی ہیں اُس کے ایک ایک بول سے فضا میں منتشر ہونے لگیں، جس وقت وہ اپنی آواز میں (اُس آواز میں جو سُننے والوں کی ایک ایک رگ میں جھنکار پیدا کر رہی تھی) نشیب پیدا کرتے کرتے آہستہ آہستہ اُسے سرگوشی کی حد تک کھینچ لاتی تھی، تو معلوم ہوتا تھا کہ روح اس گم ہو جانے والے نغمہ کی جستجو میں باہر نکل آنے کو ہے اور جب اس کی بلندی کو گونج کی حد تک کھینچ لاتی تھی تو ہر شخص محسوس کرتا کہ شاید اب سازوں کے تار ٹوٹ جائیں گے اور تھیٹر کی دیواریں شق ہو جائیں گی۔"

وہ اس وقت ایک مغنیہ ورقاصہ ہی کی حیثیت سے اسٹیج پر آئی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی اس حیثیت کو اس قدر تکمیل کے ساتھ پیش کیا کہ اب اس میں کسی اضافہ کی گنجایش نہ تھی اور ایسا ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ اس وقت وہ اپنی حقیقی حیثیت وکیفیت کا اظہار کر رہی تھی اور بجائے نقل کے اصل کا، بجائے تصنع کے حقیقت کا اظہار اس کی طرف سے ہورہا تھا۔

جس وقت وہ رقص کے بعد اندر جانے لگی تو اس شور کے جواب میں جو اظہار پسندیدگی کا عام طریقہ ہے' اس نے اپنے سر کو جھکا دیا اور پھر ایک مخصوص تبسم کے ساتھ جس کا خطاب صرف محمود سے تھا، پردہ کے پیچھے غائب ہوگئی، لوگوں نے اسے محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ لمحہ تھا جب اوّل مرتبہ محمود نے یہ محسوس کیا کہ زندگی کا حقیقی لطف تو ایسی ہی عورت کو چاہنے اور اس سے چاہے جانے میں ہے۔

(۱۴)

"آپ کی تحریر ملی اور حقیقت کے خلاف ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اس سے مسرّت نہیں ہوئی لیکن یہ مسرت اس لئے نہ تھی کہ آپ نے اپنی تکلیف کا بیان اس میں کیا تھا، بلکہ میں اس لئے خوش ہوا کہ مجھے اس طرح آپ سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔

اگر آپ کی یہ تحریر مجھے کبھی نہ ملتی تو مجھے ہمیشہ یقین رہتا کہ محمود نے خلوت میں سب سے پہلے جس موضوع پر آپ سے گفتگو کی ہوگی وہ بلاشبہ یہی رہا ہوگا کہ میں نے آپ کے ساتھ شادی کرنے کی شدید

مخالفت کی اور محمود نے باوجود اس مخالفت کے آپ کو یا خود اپنے کو مایوس نہیں کیا، کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر ناپائدار چیز کے حصول کے لئے اسے ایثار و قربانی کا رنگ دیکر پیش کرتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ دنیا اس فریب میں مبتلا ہو جاتی ہے اس لئے میں جانتا ہوں کہ اُن قربانیوں اور غیر معمولی رواداریوں کی فہرست میں جو محمود نے آپ کو متاثر کرنے کے لئے پیش کی ہو گی سب سے پہلے اسی قربانی کا ذکر کیا ہو گا اور آپ نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے، مجھے بدترین جرم کا مجرم قرار دیا ہو گا اور میں یقیناً مجرم ہوں اور ہمیشہ رہوں گا، جب تک سوسائٹی کے قوانین جرائم کو محاسن، اور محاسن کو جرائم قرار دینا ترک نہ کر دیں گے، آپ جس مسئلہ پر آج تنقید فرما رہی ہیں، میں آپ سے بہت پہلے اس کو سمجھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ محمود آپ سے شادی کرنے کا اہل نہیں اور نہ آپ اُن کی بیوی بننے کی مستحق، آپ اور وہ چونکہ باہم محبت رکھتے تھے اس لئے میں سمجھتا تھا کہ دونوں کا اتحاد حقیقی معنی میں ناممکن ہے کیونکہ آپ دونوں صرف بر بنائے محبت اس اتحاد کے طلب گار تھے۔

میں نے اس مخالفت کے جو دلائل محمود سے بیان کیے تھے وہ آپ کے سامنے بیان نہیں کروں گا، کیونکہ اُن کا تعلق صرف انہیں سے تھا اور میرے نزدیک اگر وہ باز آسکتے تو صرف انہیں

دلائل کی بنا پر کیونکہ اُن میں انہیں کے مخصوص داعیات نفس اور حالات نفسی کی رعایت ملحوظ تھی، لیکن چونکہ مجھے آپ کو حقیقت سے آگاہ کرنا ہے، اس لئے میں آج آپ سے پہلی مرتبہ اپنے حقیقی مدعا کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں ۔

یقیناً آپ مجھے حد درجہ وحشی اور نا مہذب انسان قرار دیں گی، لیکن میرا ایمان و اعتقاد ہے کہ وہ تعلق ازدواج جس کی بنیاد صرف محبت پر ہوتی ہے، کبھی خوشگوار نہیں رہ سکتا، کیونکہ نکاح فی نفسہ ایک پاک جذبہ کے تحت عمل میں آتا ہے اور غیر مرد و عورت میں محبت کی بنیاد قائم ہوتی ہے سراسر ناپاک خواہشوں پر، پھر آپ خود خیال فرما سکتی ہیں کہ اجتماع ضدین کیونکر ممکن ہے ۔

جس طرح مجھے معلوم ہے، اسی طرح یقیناً آپ بھی واقف ہوں گی کہ عرب تہذیب میں اسے سخت معیوب سمجھا جاتا تھا اور اگر کبھی اس کا علم ہو جاتا تو فوراً لڑکی کی شادی دوسری جگہ کر دی جاتی تھی اور کبھی محبت کرنے والے مرد کی یہ خواہش پوری نہیں کی جاتی تھی خواہ وہ چچا اور خالہ ہی کا بیٹا کیوں نہ ہو، ممکن ہے اُس وقت اس کا سبب صرف جذبۂ غیرت و خودداری رہا ہو، لیکن میرے نزدیک اس کا سبب کچھ اور ہے ۔

آپ کا وقت تو ضائع ہو رہا ہے لیکن مجھے اس وقت کہہ لینے دیجئے کیونکہ شاید دوبارہ میں اس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا مناسب سمجھوں ۔

سب سے پہلے آپ محبت کا تجزیہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے، معاف فرمائیے اگر میں دوران بحث میں بعض ایسے الفاظ یا فقرے لکھ جاؤں جن کا ایک خاتون کے سامنے پیش کرنا معیوب قرار دیا جاتا ہے۔ محبت کا تعلق (خواہ آپ اس کا مفہوم بہت وسیع قرار دیں یا بہت محدود و تنگ) جمالیات سے ہے یعنی ہم ایک چیز سے صرف اس لئے محبت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حسین نظر آتی ہے، اگر آپ نے محبت کا مفہوم وسیع قرار دیا ہے تو دلکشی کو بھی اسی لحاظ سے زیادہ وسیع قرار دیجئے لیکن غالباً آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ مرد و عورت کی محبت یعنی ایک دوسرے کو حسین یا دلکش محسوس کرنا ایک مخصوص خواہش و غرض سے وابستہ ہوتا ہے اور کوئی دوسری فطری مجبوری ایک دوسرے سے محبت کرنے کی نہیں ہوتی، ایک ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے، ایک بھائی دوسرے بھائی سے محبت رکھتا ہے کیونکہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ دونوں کے اخلاق میں توافق ہے، دونوں کی فطرتیں یکساں ہیں۔ لیکن غیر مرد و عورت اس لئے محبت کرتے ہیں کہ ان کے نشو و نما کا عروج جمالیات کے بعض ذہنی مفروضات یا مخصوص داعیات نفس پر قائم ہے۔

پھر غور کیجئے کہ جو کیفیت ایسی موسمی اور سطحی خواہش سے متعلق ہو وہ کس حد تک استوار و مستحکم کہی جا سکتی ہے، یقیناً ایک وقت آئے گا کہ زمانہ اور موسم کے ساتھ وہ کیفیت زائل ہو جائے گی اور

وہی چیز جسے ہم نے لطف سمجھ کر اختیار کیا تھا فرسودہ بے معنی اور بعض اوقات تکلیف دہ نظر آنے لگے گی

ایک شخص جو صرف جذبات محبت کی بنا پر شادی کرتا ہے صرف اس لئے شادی کرتا ہے کہ اس کے عاشقی جذبات محبت کی تکمیل اسی طرح ہو سکتی ہے یعنی وہ ازدواج کو ایک ذریعہ قرار دیتا ہے حصول تمنا کا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب وہ خواہش پوری ہو جائے گی تو اس ذریعہ کی اہمیت باقی نہ رہے گی۔ دوسرا شخص جو نکاح کرتا ہے صرف نکاح کی غرض سے جو ایک عورت کو بیوی بنانے کے بعد اس کا احترام کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس سے ایک ایسا عہد و پیمان کر چکا ہے جس کا تعلق کسی اور غرض سے نہیں ہے، اس کے نزدیک تعلق ازدواج کی اہمیت کبھی کم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس تعلق کو ایک فرض کی صورت میں قائم رکھنے پر مجبور ہے

ایک شخص تشنگی کے وقت گلاس کی جستجو کرتا ہے کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اسے حقیقی معنوں میں جستجو گلاس کی ہے نہیں بلکہ وہ بیتاب ہے پانی کے لئے گلاس کی تلاش صرف اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ پانی پی سکے گا، لیکن دوسرا شخص گلاس خریدتا ہے صرف گلاس کے لئے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پانی پینے کے بعد یا کبھی اس کے ذریعہ سے پانی نہ پینے کی حالت میں بھی اس سے متنفر یا بے خبر ہو جائے گا۔ اس لئے وہ شخص جو تلذذ محبت حاصل کرنے کے لئے شادی کرتا ہے پانی کے لئے گلاس تلاش کرتا ہے اور جو نکاح کرتا ہے صرف نکاح کی غرض سے وہ گلاس مول لیتا ہے

یہ سمجھ کر کہ اس نے صرف گلاس مول لیا ہے خواہ وہ ایک مرتبہ بھی اس سے پانی پینے کا کام نہ لے۔ یہ ہے سطحی سا کہ اُس فلسفۂ اتحاد کا جس پر میں عامل ہوں۔ زیادہ جزئیات سے بحث نہیں کرتا کیونکہ آپ خود ماشاء اللہ کافی تعلیم یافتہ و ذہین ہیں اور اک عورت ہونے کی حیثیت سے، اُن کیفیات کو مجھ سے زیادہ سمجھ سکتی ہیں، جو محبت کے مسئلہ میں ایک محبت کرنے والی عورت کی طرف سے مطالبہ کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں اور یہ کہ اُن کے رد ہو جانے کے بعد وہ کس روح فرسا حزن و ملال کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتی ہے۔

آپ نے جس وقت اوّل اوّل یہ سُنا ہو گا کہ میں نے شادی کی سخت مخالفت کی تھی تو آپ نے مجھے اپنا اور محمود دونوں کا بدترین دشمن سمجھا ہو گا۔ آپ یقین کیجئے کہ میری مخالفت صرف خیرخواہی کی بنا پر تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ میں سے کسی کی بھی زندگی خراب ہو۔ میں نے اُن حالات پر بھی کافی غور کیا جن کی بنا پر آپ کے نزدیک محمود آپ یا گھر کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہیں اور دنیا میں بعض اوقات اس قسم کے حالات یہ نتائج بھی پیدا کر دیتے ہیں لیکن یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ محمود صرف گھر کے جھگڑوں سے تنگ آ کر یہاں چلے آئے ہیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب اُن کا واپس نہ جانا صرف اسی فلسفہ کے تحت ہے کہ اب انہیں گلاس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کو اس خبر سے سخت صدمہ پہنچے گا لیکن

میں نہیں چاہتا کہ آپ زیادہ عرصہ تک حقیقت سے نا آشنا رہیں کیونکہ زیادہ کمن سال تمناؤں کی ناکامی زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتی ہے، البتہ میں اپنی طرف سے ضرور آپ کو مطمئن کیئے دیتا ہوں کہ میں اس گتھی کے سلجھانے میں پوری کوشش سے کام لوں گا کیونکہ آپ (ہموطن ہونے کے لحاظ سے) میری بہن ہیں۔ مظلوم، محمود کی بیوی ہیں اور تہذیب جدید کی شکار۔"

"شہاب"

شہاب یہ خط لکھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ محمود آگیا اور شہاب نے غیر معمولی انبساط کے ساتھ محمود سے کہا کہ:۔

"تمہیں آج میں ایک خوش خبری سناتا ہوں اور وہ یہ کہ میں اختر سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

محمود، جس کی شیفتگی اختر کے ساتھ اب بہت بڑھ گئی تھی، شہاب کا یہ فقرہ سن کر تھوڑی دیر کے لئے مبہوت ہو کر رہ گیا، لیکن پھر اس خیال سے کہ مبادا شہاب حقیقت کو سمجھ جائے، اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اور اپنے پندار میں نہایت ہی دانشمندی کا جواب دیا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟"

شہاب:۔ بالکل اسی طرح جیسے تم سے ہوا اور دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

محمود:۔ میں کیسے یقین کروں کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں؟"

شہاب:۔ "کس بات کی صحت پر یقین نہیں کرتے، میری خواہش پر یا یہ کہ ایسا نہیں ہوا کرتا۔"

محمود:۔ آپ کی خواہش پر، کیونکہ آپ کے اصول کا اقتضا یہ نہیں

ہو سکتا اور مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے اُصول سے منحرف ہونے والے انسان نہیں ہیں۔"

شہاب: "مجھے اُصول سے منحرف ہو جانے والا انسان سمجھ کر راضی دیجئے۔"

محمود: "تو مجھے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کو اختر کے ساتھ شدید محبت ہو گئی ہے۔"

شہاب: "(ہنس کر) اور کیا؟ یہی سمجھنا چاہیئے۔"

محمود: "لیکن آپ تو اس کے مخالف تھے کہ شادی محبت کی بناء پر نہ کی جائے۔"

شہاب: "جب میں اپنے اُصول ہی سے منحرف ہونے کے لئے تیار ہوں تو پھر یہ استدلال بے کار ہے۔"

محمود: "مناسب ہے کر لیجئے۔"

شہاب: "لیکن کروں کیسے، آپ پہلے اختر کو تو راضی کیجئے۔"

محمود جس کے دل میں اس سے قبل خدا جانے کیا کیا شبہات پیدا ہو رہے تھے شہاب کے اس آخری فقرہ سے ذرا مطمئن ہوا، کیونکہ ابھی ایک بڑا مسئلہ اختر کی رضامندی کا باقی تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ شاید یہ آسانی سے طے نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خدا معلوم کیوں یقین کرنے لگا تھا کہ اختر کو بھی اس کے ساتھ اُنس پیدا ہو گیا ہے اور وہ کسی طرح اس کی دل شکنی گوارا نہیں کر سکتی۔

محمود نے ایک اطمینان کا سانس لے کر جواب دیا کہ:-

"میں کوشش کروں گا۔"

شہاب جسے محمود کی اس جدید شگفتگی کا حال معلوم ہو چکا تھا، محمود کی حالت و گفتگو سے دیر تک لطف لیتا رہا اور پھر محمود کو رخصت کر کے اپنے کام میں مصروف ہونے ہی والا تھا کہ اختر آ گئی۔

شہاب:- "اختر بادبہ خیریت تو ہے۔ اس وقت خلاف معمول آپ نے کیسے تکلیف گوارا کی؟"

اختر:- کیا آپ کے پاس کوئی اس وقت آ سکتا ہے جب خیریت نہ ہونے کی حالت میں کسی کے پاس انسان جا سکتا ہے۔ ان میں تو شاید آپ شامل نہیں ہیں۔ توقع اٹھ جانے کے بعد غالب نے صرف گلہ نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے میرے نزدیک یہ ابتدائی مدارج سے متعلق ہے اس کی انتہائی صورت تو کچھ اور ہوا کرتی ہے۔

شہاب جو مشکل سے کبھی ہنستا تھا، اس وقت اختر کی گفتگو سن کر بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے اس خاص انداز میں جو کسی کے ستانے کے وقت اس میں پیدا ہو جاتا تھا بولا:-

"وہ انتہائی صورت کیا ہوا کرتی ہے؟"

اختر:- کیا کیجئے گا پوچھ کے، وقت آئے گا تو دیکھ ہی لیجئے گا۔"

شہاب:- "گویا آپ یہ کہہ کر مجھ پر یہ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ایسی صورت میں ایک انسان جان دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن شاید آپ کو نہیں

معلوم کہ یہ ارادہ غور و تامل سے بے نیاز ہے اور وہ لمحہ جس میں انسان ایسا کر گزرتا ہے، زندگی کا ایسا جزو لاتجزی ہے کہ اس میں ارادہ، غور و فکر اور تفسیر و تشریح کی گنجائش ہی نہیں، بجلی کی چمک زمانہ کے لحاظ سے اندازہ و مقدار کے تحت میں آ سکتی ہے، لیکن اس ارادہ کی تکمیل کے لئے زمانہ متعین کرنے والا ایک ایسا دعویٰ کرنے والا ہے جو صرف لوگوں کو ڈرا کر اپنا نام نکالنا چاہتا ہے۔

اختر: "آپ کے ہاں خودکشی سے مراد صرف جان دیدینا ہے۔ اس لئے آپ کا یہ سطحی استدلال درست نہیں، میرے نزدیک خودکشی نہ کر کے نزع کے عالم کو ہر وقت اپنے اوپر طاری رکھنا، کہیں زیادہ مشکل ہے۔"

شہاب: "مشکل بھی ہے اور علامۃ الورود بھی لیکن بات یہ ہے کہ جب اس حالت میں کوئی شخص سوسائٹی کے قوانین توڑ دیتا ہے تو سب کو علم ہو جاتا ہے، ورنہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ آپ کہیں اس خیال کے تحت کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں کہ میرا ذریعۂ علم بھی وہی قرار پائے جو پبلک کا ہوا کرتا ہے۔"

اختر: "میں تو سوسائٹی کے لئے ایک عضوِ معطل ہوں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ میری حرکت سوسائٹی کے لئے مفید یا مضر نہیں ہو سکتی، رہا آپ کا علم سو یہ بھی کچھ ضروری نہیں کیونکہ عورت انتہائی غضب کی حالت میں بھی جبکہ اُسے انتقام کے لئے آمادہ ہو جانا چاہیئے اپنے جی کو کوستی ہے اور اپنی ہی جان کو نقصان پہونچاتی ہے۔"

شہاب :- لیکن آپ کلیوپٹرا کیوں نہ بنیں، جس کی زندگی آپ عارضی طور پر اسٹیج کے اندر بارہا اختیار کر چکی ہیں۔

اختر :- جی ہاں ارادہ کچھ یہی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اب دنیا میں سیزر و انطانی پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔

شہاب :- لیکن یہ مصرع تو شاید اسی زمانہ کے کسی شاعر کا ہے :-

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

یعنی اس وقت بھی آپ کو ایک ایک انسان ایسا مل سکتا ہے جس میں سیزریت و انطانیت وقت واحد میں جمع ہو سکتی ہیں اگر آپ کہیں تو میں اس انتخاب میں آپ کی مدد کروں ؟"

اختر :- نہیں اس امر کو میرے ہی فیصلہ و انتخاب پر چھوڑ دیجئے میں تو اس وقت آپ کو داد دینے آئی تھی۔ آپ کے اس مضمون کی جو "کرانیکل" میں شائع ہوا تھا اور جس کا ترجمہ جام جمشید میں میری نگاہ سے بھی گزرا ہے"

شہاب :- لیکن آپ یہ سن کر غالباً زیادہ مسرور ہوں گی کہ جس مسئلہ کے متعلق میں نے اس مضمون میں بحث کی ہے اس کو میں نے عمل سے بھی ثابت کر دیا ہے۔

اختر :- (ذرا گھبرا کر) "یعنی ؟"

شہاب :- یہ کہ میں نے انہیں اصول کے تحت شادی بھی کر لی ہے"

اس کے بعد دیر تک دونوں طرف ایک گہرا سکوت طاری رہا اور آخر کار اختر بے انتہا حزن و ملال لیکن شدید ترین اشتعال (وہ اشتعال جو ایک

انسان میں نہایت ہی خطرناک جذبۂ انتقام پیدا کر دیتا ہے) لیکن وہاں سے اپنے پندار میں ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔

(۱۵)

اختر جس وقت شہاب سے مل کر واپس ہوئی تو اُس کی حالت ایک ایسے پروانہ کی سی تھی جسے "نیمۂ داغ و نیمۂ خاکستر" کہہ سکتے ہیں اگر ایک لمحہ میں وہ اپنی مایوسیوں کو حیات شکن حد تک بڑھا ہوا دیکھتی تھی تو دوسرے لمحہ میں محسوس کرتی تھی کہ ابھی تڑپنے کی قوت اس میں باقی ہے اگر کبھی وہ خیال کرتی تھی کہ عالم نامرادی کی تلخ کیفیات دور کرنے کا بہترین طریقہ اپنے کو ہلاک کر ڈالنا ہے تو کبھی وہ اس نتیجہ پر پہونچتی تھی کہ انتقام میں بہت زیادہ لذت ہے اور شہاب سے انتقام لینا یہی ہے کہ اس کے مقابلہ میں اپنے کو بھی حد درجہ بے پروا ثابت کیا جائے، وہ سوچتی تھی کہ "زندگی نام ہے تمناؤں کے ایک غیر متناہی سلسلہ کا" اور یہ ظاہر ہے کہ ایک انسان کی تمام تمنائیں پوری نہیں ہو سکتیں تو کیا ایسی صورت میں کسی آرزو کا پورا نہ ہونا قطع حیات کو مستلزم ہے، یہ صحیح ہے کہ انسان کی بعض خواہشیں اس قدر شدید ہوتی ہیں کہ وہ ان کی ناکامیابی کو روح کا تحلیل ہونا محسوس کرتا ہے لیکن امتداد زمانہ اس حس کو کمزور کر دیتا ہے اور ہنگامۂ عالم کے مناظر کا تنوع رفتہ رفتہ پھر اپنی طرف کھینچنے لگتا ہے، علاوہ اُس کے یوں بھی انسانی خودداری کے خلاف ہے کہ ایک ایسے شخص کے لئے اپنے کو تباہ و برباد کیا جائے، جو فطرتاً اس قدر بے حس اور ناآشنا اور سنگ دل ہو،

اگر ایسے شخص کو ایک مرتبہ کسی مخصوص جذبہ سے متاثر کر کے قابو میں لے آیا جائے، تو بھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آیندہ وہ منحرف نہ ہوگا، اس کے انحراف کا اندیشہ تو ہر وقت ہے اور اس لئے ظاہر ہے کہ ایسے انسان کے ہاتھ میں اپنی مسرتوں کو سونپ دینا کس قدر نادانی ہے یقیناً یہ فطرت کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے شہاب سے بچایا، ورنہ غالباً میری تکلیفیں اس سے زیادہ روح فرسا ہو جاتیں اور پھر میرے پاس ان کا کوئی مداوا بھی نہ ہوتا۔ اب تو میں آزاد ہوں، اور اگر لطف و مسرت حاصل کرنے پر آجاؤں تو دنیا کی ہر لذت میرے لئے موجود ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ میں ایک تمنا کے سوگ میں اپنے کو تباہ و برباد کر دوں، جبکہ اس میں از سرِ نو حیات تازہ پیدا کرنا میرے اختیار میں ہے"

یہ فطرت انسانی ہے کہ جب اس کی مایوسی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ ایسی تاویلیں تلاش کرتا ہے جو بقاء حیات کے لئے ضروری ہیں اور اسی کیفیت کا نام مذہب کی زبان میں صبر و ضبط ہے۔

جب اختر کو معلوم ہو گیا کہ شہاب کی شادی ہو گئی ہے تو اس کی ملتہب تمناؤں کی وہی کیفیت ہو گئی جیسے پگھلے ہوئے سونے پر پانی ڈال دیا جائے اور وہ ٹھنڈا ہونے کے بعد بھی دیر تک گرم رہے، چونکہ اب اختر کے لئے چارۂ کار کوئی نہ رہ گیا تھا، اس لئے وہ مایوسی، غیظ و غضب اور انتقام کے ملے جلے جذبات کو لئے ہوئے وہاں سے نکلی، اور راستہ بھر اس کا دماغ مختلف تاویلیں تسکین کی سوچتا رہا۔

وہ اسی حالت انہماک میں وکٹوریہ پر بیٹھی ہوئی سڑکوں سے گزر رہی تھی کہ دفعتاً اس کی نگاہ شاپورجی کی دوکان پر پڑی، جہاں شرابوں کے اشتہار بجلی کی رنگین روشنیوں میں جگمگا رہے تھے، اختر نے کسی فوری خیال سے متاثر ہو کر گاڑی کو وہاں روکنے کا حکم دیا، لیکن اس کے بعد اس پر پھر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی جسے پس و پیش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور غالباً وہ تھوڑی دیر کے بعد گزر جاتی، اگر دوکان کا ملازم آکر یہ نہ دریافت کرتا کہ کیا حکم ہے ؟"

اختر جس کا دماغ اس وقت مختلف خیالات اور متضاد واردات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے تاریک ہو گیا، لیکن اس نے نہایت کوشش سے اس حالت کو دور کر کے اس طرح جیسے کوئی شخص آنکھ بند کر کے کنوئیں میں کود پڑے، "شامپین دو بوتل" کہا اور ملازم کے چلے جانے کے بعد سر پکڑ کر رہ گئی۔

محمود شہاب سے ملنے کے بعد سیدھا اختر کے مکان پر پہونچ کر اس کا انتظار کر رہا تھا اور اس کا دماغ بھی اختر کی طرح جولانگاہ خیال بنا ہوا تھا چونکہ اختر کی محبت اس کے دل میں اس حد تک مرتسم ہو چکی تھی کہ وہ اسے محو نہیں کر سکتا تھا اس لئے یہ سننے کے بعد کہ شہاب اس سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ بیتاب ہو گیا، وہ سمجھتا تھا کہ ایک زمانہ میں اختر کو بھی شہاب سے کچھ وابستگی پیدا ہو گئی تھی جس کا ذکر نہ کبھی اختر نے کیا تھا اور نہ شہاب نے اس لئے وہ ڈرا کہ کہیں یہ سُن کر اختر کے جذبات محبت پھر عود نہ کر آئیں

وہ اس امر کی کوشش کرتا تھا کہ کسی طرح ضبط کرکے شہاب و اختر کے ازدواج کی کوشش کرے لیکن اس خیال سے اس کا دم سا گھٹنے لگتا تھا اور اس کا ہیجان شباب اس کی فطرت کی سادگی کو مغلوب کرکے تھوڑی دیر کے لئے شہاب کی طرف سے بھی متنفر کردیا تھا اور اُسے یہ سمجھنے پر مجبور کرتا تھا کہ یقیناً شہاب کو میری محبت کا علم نہیں ہے ورنہ وہ ہرگز ایسی خواہش نہ کرتا اور اگر ایسا علم ہونے کے بعد بھی وہ ایسا کرتا تو مجھ پر ایسے دوست کی رعایت فرض نہ ہونی چاہیئے تھی اور یقیناً مجھے حق حاصل ہے کہ جس طرح وہ خودغرضی سے کام لے کر میری تمناؤں کا خون کرنے کے لئے آمادہ ہے، میں بھی اسی طرح اس کی خواہشوں کو پورا نہ ہونے دوں، لیکن میں نے یہ غلطی کی، مجھے شہاب سے صاف صاف کہہ دینا چاہیئے تھا، اب بھی ممکن ہے کہ تحریر کے ذریعہ سے اس کو اطلاع دیدوں، لیکن اگر اُس نے میری مخالفت شروع کردی تو پھر میرا کامیاب ہونا مشکل ہے، بہرحال ضرورت ہے کہ جلد سے جلد میں اس حالت منتظرہ کو دور کردوں اور اُس کے لئے تھوڑی سی جرأت کی ضرورت ہے۔

یہ سوچ کر محمود نے میز پر جاکر ایک کاغذ لیا اور اختر کے نام یہ تحریر لکھی :-

۸ بجے شب

" اس وقت تک آپ کا انتظار کیا، خدا معلوم آپ کہاں اور کیا کررہی ہیں، مجھے آپ سے ملنا ضروری تھا، میں دس بجے پھر آؤں گا

لیکن اگر آپ نہ بل سکیں تو اپنے آدمی کے ذریعہ سے مطلع کر دیجئے گا۔" "محمود"

جب اختر واپس آئی تو آدمی نے سب سے پہلے اُسے بنک کی کتاب اور شہاب کا ایک رقعہ دیا جس میں تحریر تھا:-

"یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ جس وقت آپ کا آدمی بنک پہونچا میں بھی موجود تھا، غالباً آپ اس جسارت کو معاف کریں گی کہ آپ کے مرسلہ ایک ہزار کے نوٹوں میں، میں نے دو ہزار کا اضافہ اور کر کے آپ کے نام سے انہیں بھی جمع کر دیا، تیرہ سو تو آپ کے میرے اوپر قرض تھے ہی، باقی سات سو کی زائد رقم میں نے اس لئے بڑھا دی کہ شاید راز جوئی کی عادت آیندہ پھر کبھی آپ کو ایسا ہی لطف و احسان کرنے پر مجبور کر دے تو یہ رقم کام آئے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ "اہانت" واپس کر دیں، آپ اُسے شوق سے اپنے پاس رکھیئے، آپ نے جس حسن کے ساتھ اور جن حالات میں میری مدد کی تھی، اس کا نقش کبھی فنا ہونے والا نہیں اور اس قسم کی واپسی مجھے منت پذیری کے بار سے کبھی سبکدوش نہیں کر سکتی۔"

"شہاب"

یہ تحریر پڑھنے کے بعد اختر نے بنک کی کتاب کا اندراج دیکھا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ سکتہ کے سے عالم میں مبتلا رہی کہ شہاب کو کیونکر

اس کا علم ہو گیا اور اُس نے کیوں اُس کے اس انتہائی پندار کو بھی خاک میں ملا دیا کہ وہ شہاب کی غائبانہ خدمات کر چکی ہے اور کسی وقت اس کا علم اُس کی بدسلوکی کا انتقام ہو سکے گا۔

اس کے بعد اس نے محمود کی تحریر پڑھی اور مسکرا کر اسی جگہ رکھ دی کہ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس دن وہ ایک عزم کر چکی تھی، اسی دن محمود بھی کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

(۱۴)

ساحل فلابہ کے ایک مکان کی بالائی منزل میں اختر و محمود بیٹھے ہوئے ہیں۔ کمرے کے دریچے سمندر کی خنک ہوا اور چاندنی آنے کے لئے کھول دئے گئے ہیں۔ کمرہ کے وسط میں ایک میز پر سفید چادر بچھی ہوئی ہے اور اس کے قریب ہی دوسری میز پر بجلی کا لیمپ گلابی فانوس کے اندر سے اُن گلاسوں کے اندر بھری ہوئی سیال شئے کو اور زیادہ رنگین بنا رہا ہے جو اختر و محمود کے سامنے رکھے ہوئے ہیں، اختر کا نازک جسم باریک تن زیب کی سفید ساری میں ملفوف ہے، جس کے پلو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ فانوس کے محاذ میں آ آ کر رنگین ہو جاتے ہیں، اختر کی وہ دراز گردن جو جوش شباب کی وجہ سے تازگی، نرمی اور صحت کے امتزاج صحیح کا منظر بیک وقت نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے، سینہ کی اس مثلث عریانی سے مل کر جو بلاؤز کی تراش کا لازمی نتیجہ ہے، ایک لبریز شراب مینا نظر آ رہی ہے اور جس وقت وہ گردن موڑتی ہے تو گدگدی کے پاس کی رگ اُبھر کر چشم

نگاں میں موج بادہ ہو کر سما جاتی ہے۔ اس کے کہنیوں تک کھلے ہوئے ہاتھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی سانچے سے نکالے گئے ہیں، اس کی بڑی بڑی مخمور آنکھیں جن میں اوپر کی طرف چڑھی ہوئی پتلیاں بادل میں نصف غائب ہونے والے چاند کی طرح نظر آرہی ہیں نشۂ شراب سے لبریز ہیں اور جب وہ گلاس کو نگاہیں نیچی کر کے دیکھتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لانبی پلکوں سے شراب ٹپک ٹپک کر اس میں مل رہی ہے، گردن جھکانے کے بعد جب فانوس کے محاذ میں اس کا نصف چہرہ نیچے ہو کر سفید روشنی میں آجاتا ہے اور فانوس کا رنگ صرف پیشانی اور آنکھوں تک آکر ختم ہو جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی عروس ہے جو سرخ حریر کے گھونگھٹ سے اپنا نصف چہرہ چھپائے ہوئے ہے، مسرت کے تبسم نے جو اس کے جسم کے ہر ہر حصّہ سے نمایاں ہے، کیف شراب کے رنگ سے مل کر ایسی لطیف رنگینی اختیار کر لی ہے کہ جس وقت وہ مسکرانا ختم کر دیتی ہے اور اس کے رخسار میں پڑ جانے والے گڑھے مٹ جاتے ہیں تو ان کے اندر بھرا ہوا عبیر اسی طرح منتشر ہو کر غائب ہو جاتا ہے، جیسے سونیا رنگ کے دوپٹہ کی شکنیں کھل جانے کے بعد اس کا رنگ باوصف اس کے کہ ہوا کافی آرہی ہے لیکن شراب کی حدت سے اس کی صندلی پیشانی پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے موتی اس طرح نظر آرہے ہیں جیسے کسی نے افشاں چُن دی ہو اور کنپٹی پر بالوں کے ایک حلقہ کا بھیگ کر چپک جانا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فتیلۂ عنبر کا دھواں قائم

ہو کر رہ گیا ہے۔

محمود واقعات و حالات کے اس طرح دفعتاً بدل جانے سے اختر کی ان کیفیات سے بڑا والہانہ لطف حاصل کر رہا تھا۔

محمود اپنے مردانہ حسن کے لحاظ سے بہ نسبت شہاب کے کہیں زیادہ محبت کئے جانے کے قابل تھا، اس لئے جب اختر نے اس کو اس نگاہ سے دیکھا تو اس کے تمام نسائی جذبات اپنی پوری شدت کے ساتھ اس سے وابستہ ہو گئے اور اس وقت کی صحبت بادہ نے تو محمود کے اندر وہ کیفیات پیدا کر دیں کہ اختر کو فیصلہ کر لینا زیادہ دشوار نہ ہوا۔ محمود، اختر کے لئے بادہ خواری کا بالکل پہلا موقعہ تھا، لیکن جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو بڑھتا ہی گیا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی طرف کھنچنے لگے۔ اور بمبئی کے ساحل پر جو انتہائی لطف اُٹھایا جا سکتا ہے وہ اس وقت محمود و اختر کو حاصل تھا، لیکن دفعتاً اختر کے جذبات میں کچھ تغیر پیدا ہوا اور اُس نے چونک کر محمود سے پوچھا:۔

"کیوں صاحب، محبت و نکاح کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

محمود۔ جو اس سوال کا جواب دینے کے لئے تیار نہ تھا گھبرا گیا اور اپنے گلاس کے اخیری جُرعہ کو ختم کر کے بولا:۔

"میں آپ کا مدعا سمجھا نہیں"

اختر:۔ یعنی آپ تو اُن لوگوں میں نہیں ہیں جو نکاح اور محبت کو ایک دوسرے کا ضد خیال کرتے ہیں"

محمود:۔ ہاں اس سے قبل تو میں یہی سمجھتا تھا لیکن اب میرا خیال

"آپ کی ہر التجا میرے لئے فرمان ہے اور میں ایک لمحہ کے لئے بھی سرتابی کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا۔ اگر آپ کا اصرار یہی ہے تو میں اس کے لئے بھی آمادہ ہوں"۔

اختر جو باوجود تمام ذہانتوں کے پھر بھی ایک عورت تھی، محمود کے اس جواب سے اس قدر متاثر ہوئی کہ تھوڑی دیر کے لئے وہ نکاح کے مسئلہ کو بھی بھول گئی اور محمود کی فطرت اسے اس درجہ حسین نظر آنے لگی کہ اگر کوئی مانع اپنے تئیں اس کے آغوش میں سونپ دینے کے لئے باقی تھا تو وہ بھی دور ہو گیا اور جس وقت اُس پر دوسرے دن کا آفتاب طلوع ہوا تو وہ اپنے آپ کو محمود کی بیوی یقین کرتی تھی۔

(۱۷)

پونا کے ایک ہوٹل میں تین ماہ سے اختر و محمود کا قیام ہے اور اس زمانہ میں پردیس کی آزادی سے جس قدر لطف اُٹھایا جا سکتا ہے، دونوں اُٹھا چکے ہیں اور اختر کے اصرار نکاح کو محمود ہر مرتبہ لطائف الحیل سے ٹالتا رہتا ہے، اس طرف اختر بھی جو اس وقت تک کوئی نہ کوئی تاویل کر کے اپنی حماقتوں کو اپنے لئے قابل برداشت بنا رہی تھی، معاملہ کی حقیقت کو سمجھنے لگی ہے اور بعض اوقات گھبرا کر وہ محمود سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ محمود کو اس کے ساتھ اب تک تعلق خاطر باقی ہے اور اگر اختر نکاح کے لئے اصرار کر کے ناخوشگوار خلشیں پیدا نہ کر دیا کرتی تو

وہ شاید ہمیشہ اس تعلق کو قائم رکھ سکتا۔ لیکن چونکہ اب روز یہ مسئلہ چھڑتا جاتا تھا اور روز اس سلسلہ میں تلخ گفتگو تک نوبت پہونچ جاتی تھی اس لئے محمود جو اختر کی صرف شیرینی حاصل کرکے اس کی تلخی کی لذت سے ناآشنا رہنا چاہتا تھا نکاح سے بچنا چاہتا تھا کچھ اس وجہ سے بھی کہ اس کا نکاح ہو چکا تھا اور وہ والدین کی موجودگی میں ایسی جسارت نہ کرسکتا تھا اور کچھ اس خیال سے بھی کہ نکاح کے بعد اس رندانہ زندگی کا کوئی لطف باقی نہ رہے گا جس پر قربان کرنے کے لئے ابھی اس کے پاس شباب کا بڑا حصہ موجود تھا۔

ایک صبح جبکہ محمود کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا اور اختر ایک عالم افسردگی میں اپنی حالت پر غور کر رہی تھی کہ پوسٹ مین نے محمود کے نام ایک خط لاکر دیا۔ اختر نے اس کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ سکینہ کی تحریر ہے اور اس لئے باوصف کوشش کے وہ اس کے کھولنے سے باز نہ رہ سکی۔ لفافہ چاک کرکے خط نکالا اور کمرہ بند کرکے اس کو پڑھنے لگی:-

" آج خدا خدا کرکے نہ معلوم کس طرح آپ کا پتہ اور کچھ حالات معلوم ہوئے لیکن اب اس کو میری سادگی کہئے یا کچھ اور کہ آپ کا نشان ملتے ہی خط لکھنے بیٹھ گئی اور جب لکھنا شروع کیا تو جی چاہتا ہے کہ سب کچھ کہہ ڈالوں جو جی میں ہے، کیونکہ ممکن ہے پھر آپ کا پتہ بدل جائے اور میں نہ معلوم کرسکوں، لیکن اس کا کیا علاج کہ عورت ہوں اور مصیبت زدہ، ہر بات شکایت بن کر منھ سے نکلنا چاہتی ہے اور مجھے آپ کا دل دکھانا کسی طرح گوارا نہیں، بہرحال کوشش

کروں گی کہ نب و لہجہ التماس و التجا کی حد سے آگے نہ بڑھنے کہ ایک عورت اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے لیکن اگر اتفاق سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے جو بیچارگی کی حد سے گزر جانے والا ہے تو اس کا قصوروار میرا دل نہ ہوگا بلکہ میری کم علمی ہوگی جس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ میں اُس خوش نصیب زمانہ کے واقعات آپ کو یاد دلانا نہیں چاہتی جب آپ کی ہستی میرے لئے ایک آرزو سے زیادہ نہ تھی، جب میں اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ کو ایک خوش گوار تمنا سے تعبیر کرتی تھی، جب میری ہر رات راحت کدۂ امید اور میرا ہر دن آپ کے لئے بیداریٔ انتظار تھا، منزل میری نگاہوں سے اوجھل تھی لیکن اس کی ٹھنڈی فضا کا سایہ میری روح پر چھایا رہتا تھا۔ اُفق میں نظر آنے والی زریں چوٹیاں میری ضعیف پروازکی دسترس سے بہت دور نظر آتی تھیں لیکن اُن کے عکس سے اپنے دل کو ہر وقت رنگین دیکھتی تھی، بہرحال ایک زمانہ مجھ پر ایسا بھی گزرا ہے جب باوجود مقصود سے دور ہونے کے میں مسرور و شاد و کامران رہتی تھی لیکن اس کا تفصیلی ذکر میں آپ سے کیوں کروں کہ مجھے خود اس سے تکلیف ہوتی ہے اور شاید آپ کو بھی ہو، اس لئے اسے چھوڑتی ہوں اور اُس دوسرے دور پر آتی ہوں، جس کا مفہوم صرف آپ کی ذات ہے، آپ نے باوصف تمام مخالفتوں کے مجھے اپنی خدمت کے لئے چُن لیا۔ اپنے غیر معمولی لطف و کرم سے کام لیکر مجھے اس بات کی اجازت دی کہ اپنے آپ کو آپ کی کنیز سمجھوں

اللہ، آپ کا یہ وہ احسان ہے جسے میں ہزار بیدردیوں کے مقابلہ میں بھی کبھی اپنے دل سے محو نہیں کر سکتی، آپ کو یاد ہوگا کہ ایک دن آپ نے مجھ سے پوچھا تھا "تم کھوئی ہوئی سی کیوں رہتی ہو" میں اُس وقت کوئی جواب نہ دے سکی کیونکہ زبان کی جنبش بھی میرے قابو سے باہر تھی لیکن اب بتاتی ہوں کہ آپ کو پا لینے کے بعد میں خود کھو گئی تھی اور آج جو آپ کھو گئے ہیں تو کہتی ہوں کہ اُس وقت میں اپنے آپ سے بھی یہ سوال نہ کر سکتی تھی کہ کیا واقعی آپ مجھے مل گئے ہیں؟ پھر آپ کو یاد ہے کہ میری یہ بیخودی کب تک قائم رہی؟ اچھا آپ کو اپنے بمبئی جانے کی تاریخ تو یاد ہوگی، آپ کو وہ ساعت تو یاد ہوگی جب آپ نے دفعتاً سفر کی تیاری شروع کر دی اور میرے پوچھنے پر آپ نے کوئی جواب نہ دیا، میں سمجھی آپ نے سُنا نہیں، دوبارہ ہمت کر کے دریافت کیا تو آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے، میں نے جانا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے میں نے گھبرا کر پوچھا "میرا قصور تو بتا دیجئے"؟ آپ نے بے پروائی سے کہا کہ "نہیں اپنی عقل کا فتور ہے"

الغرض آپ کا گھر سے سدھارنا اور میرا چونک پڑنا کہ ہائے یہ کیا ہوا؟ اس کو تقریباً ایک سال کا زمانہ گزر گیا اور آپ نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا کیونکہ آپ مجھ سے خفا ہیں، میں اس خفگی کی وجہ نہیں پوچھوں گی کیونکہ یقیناً مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی جس کی سزا مجھے ملنی چاہیئے، لیکن خدا کے لئے اتنا بتا دیجئے کہ اس سزا کی میعاد کتنی

ہے؟ میں تو اپنی ساری عمر رو کر بسر کرنے کے لئے آمادہ ہوں، اگر مجھے یقین ہو جائے کہ آخیر وقت میں بھی آپ میرا قصور معاف کر کے دفعتاً مسکراتے ہوئے آجائیں گے۔

یہ زمانہ میرے اوپر جس تکلیف سے گزرا اور گزر رہا ہے، اس کو میرا دل جانتا ہے یا میرا خدا، جس کے حضور میں ساری ساری رات میں نے ایک ایک سجدہ میں کاٹ دی ہے کیونکہ میرے نزدیک یہ خدا ہی کا لایا ہوا عذاب ہے اور وہی دور کر سکتا ہے، آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

جب ایک زمانہ تک آپ کا کوئی خط نہ آیا تو میں نے گھبرا کر جھنجھلا کر شہاب صاحب کو لکھا، میں اُن سے یقیناً ناخوش تھی لیکن ان کا جواب مجھے ملا، اُس نے میرے تمام شکوے دھو ڈالے اور میں سمجھتی ہوں کہ ان کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ ہاں اور سنیئے کہ اس خط کے چوتھے دن ان کی ایک رجسٹری ملی، کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی، اس میں پانچ نوٹ سو سو روپیہ کے رکھے ہوئے تھے، آپ یہ سن کر اور خفا ہونگے کہ میں نے انہیں کیوں نہ واپس کر دیئے، لیکن آپ ہی بتائیے کہ اُنکے اس نقرہ کو دیکھ کر کہ:-

"اگر میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھیں تو صرف یہ سمجھ کر قبول کیجئے کہ محمود میرا چھوٹا بھائی ہے"

میں کیا کر سکتی تھی، آپ کا ذکر تھا، دل بھر آیا، رونے لگی، اور نوٹوں

کو اسی طرح لپیٹ کر صندوقچے میں رکھ دیئے کہ کبھی آپ ملے تو پوچھونگی کہ انہیں کیا کروں؟

اس درمیان میں اُن کے متعدد خطوط آئے اور مجھے اُنہوں نے ہمیشہ تسکین پہونچائی۔ لیکن آپ کا ذکر یا تو پہلے خط میں تھا یا اب آخری تحریر میں جس کے ذریعہ سے مجھے آپ کا یہ نیا پتہ اور کچھ حال اور بھی معلوم ہوا، میں یہ لکھ تو رہی ہوں لیکن اگر آپ میری ایک التجا بھی مان سکتے ہیں تو خدا کے لئے یہ بات مان لیجئے کہ اس بات میں شہاب صاحب سے برہم نہ ہوجایئے گا کہ ان سے زیادہ سچا دوست آپ کا کوئی نہیں ہوسکتا۔ میں اپنی قربانی کے لئے تیار رہوں، لیکن یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ آپ اُن کے خلوص سے محروم ہوجائیں، خیر بہرحال اس زمانہ میں اگر میرا کوئی سچا ہمدرد تھا تو انہیں کا دم تھا، اور انہیں کی تسکین پر اب بھی جی رہی ہوں، لیکن جب غور کرتی ہوں کہ اس طرح زندگی کیونکر بسر ہوگی، کب تک فریب دیکر دل کو سنبھالوں گی، تو خفقان ہونے لگتا ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔

خط بہت طویل ہوگیا۔ خدا جانے آپ کو پڑھنے کی فرصت ہو یا نہ ہو، اس لئے اب میں اخیر میں وہ بھی لکھ دینا چاہتی ہوں جس کے لئے قلم اُٹھایا تھا لیکن ڈرتی ہوں کہ میں کوئی بات اچھی سمجھ کر کروں اور وہ ہوجائے بُری، اس لئے ایک مرتبہ پھر معافی چاہتی ہوں اور اس کے بعد ایک بات عرض کرتی ہوں اگر آپ قبول کرلیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کسی خاتون سے جو علاوہ حسین ہونے کے اسٹیج کی دُنیا میں بھی خاص شہرت رکھتی ہیں، آپ کے دوستانہ مراسم بہت بڑھ گئے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کو نہ آنے کا موقع ملتا ہے اور نہ میرے خطوں کے جواب دینے کا۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ یقین کیجئے کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتی کہ آپ کسی ایسی ہستی سے جُدا ہو جائیں جو آپ کے لئے سچی راحت و مسرت کا باعث ہو لیکن ہاں یہ ضرور کہوں گی کہ جس طرح آپ کو اُن کی مفارقت گوارا نہیں ہے اسی طرح مجھے بھی آپ کی جُدائی سے سخت تکلیف ہے اور اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ آپ اُن کو لیکر یہاں آجائیے، میں تو کہتی ہوں کہ آپ اُن سے نکاح کر لیجئے۔ میں انہیں اپنی بہن سمجھونگی، اور اگر یہ گوارا نہ ہوگا تو میں ایک کنیز کی طرح ان کی خدمت کروں گی، کیونکہ اُن سے آپ کو راحت پہونچتی ہے اور دُنیا کی ہر وہ چیز جو آپکے لئے راحت رساں ہے مجھے دل سے عزیز ہے، شائد آپ کو یہ خیال ہو کہ اس میں کوئی طعن شامل ہے لیکن خدا شاہد ہے کہ جو کچھ لکھ رہی ہوں وہ میرے دل کی سچی خواہش ہے اور اس میں ذرا تصنّع یا شکوہ وطنز کا دخل نہیں ہے، آپکے جانے کے بعد ابا کسی خاص کام سے برما گئے تھے اور وہ اب تک نہیں آسکے، خطوط برابر آرہے ہیں، خیریت سے ہیں، شاید آپ کو بھی معلوم ہو، اتی جواب مجھ سے زیادہ خفا نہیں رہتیں آپ کے لئے بیقرار ہیں، اور میں ہمیشہ جھوٹ بول دیا

کرتی ہوں" اُن کا خط آیا تھا ایک ضروری کام میں لگے ہوئے ہیں آج کل
میں آنے والے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ
ابّا گھر پر نہیں ہیں اور امّی بھی بیقرار ہیں آپ کا نکاح کر کے اُن کو
لے آنا' یا یہاں آکر نکاح کر لینا زیادہ مشکل نہیں ہے' چند دن بعد
جب ابّا واپس آئیں گے بھی تو کچھ عرصہ تک یہ ذکر رہے گا، پھر سب
بھول جائیں گے۔ رہے میرے والد وغیرہ' سو اُن کو زیادہ سے زیادہ
صرف میری خوشی کا خیال ہو سکتا ہے اور جب وہ دیکھیں گے کہ یہ
خود میں نے اپنی مرضی سے ہونے دیا ہے تو انہیں اعتراض کا موقع
نہ رہے گا۔

اچھا تو خدا کے لئے مجھے بتائیے کہ آپ کب آئیں گے اور میں
کس تاریخ تک اپنی نئی بہن کا انتظار کروں۔ مجھے تو بڑی مسرت ہے
کہ اُن کی وجہ سے مجھے کچھ سلیقہ آ جائے گا، میں بھی آپ کو خوش رکھنے
کی تدبیریں اُن سے سیکھ لوں گی' اور سب سے زیادہ یہ کہ جب آپ
کبھی باہر چلے جائیں گے تو ہم دونوں آپ کا ذکر کیا کریں گے، یہ تو
نہ ہوگا کہ میں ہونٹ سی کر ایک کونہ میں خاموش پڑا رہا کروں۔

"سکینہ"

جس وقت تک اختر یہ خط پڑھتی رہی' اس کے جسم پر نہایت مخفی رعشہ
طاری رہا اور جب وہ اس کو ختم کر چکی تو اس نے محسوس کیا کہ دنیا کو وہ نئی
نگاہ سے دیکھ رہی ہے اور اس سے قبل جتنے مناظر اس کے سامنے تھے وہ بالکل

اس طرح محو ہو گئے ہیں جیسے اسٹیج پر ایک پردہ اُٹھا کر دوسرا پردہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس سے قبل وہ سمجھتی تھی کہ اس سے زیادہ محبّت کرنے والا انسان اور اس کے دل سے زیادہ خلوص و محبّت رکھنے والا دل کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا، لیکن سکینہ کی تحریر نے اس کے سامنے صحیفۂ محبّت کا وہ عجیب و غریب ورق پیش کر دیا کہ اُسے اپنی محبّت، اپنے خلوص بلکہ خود اپنی ہستی سے شرم آنے لگی اور اس نے محسوس کیا کہ حقیقی معنی میں اس کو نہ شہاب سے محبّت تھی اور نہ محمود سے کیونکہ وہ شہاب کے لئے اپنے ذلیل جذبات کا ضبط بھی نہ کر سکی اور محمود کے لئے وہ اس ایثار کا خواب بھی کبھی نہیں دیکھ سکتی تھی جو سکینہ کے ایک ایک لفظ سے ٹپک رہا تھا، اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ میں اب ایک لمحہ کے لئے بھی محمود کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی اور دنیا میں کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ سکینہ ایسی محبّت و خلوص کی دیوی کا دل دُکھائے، یقیناً محمود جس وقت اس تحریر کو دیکھے گا تو اس کے لئے چارۂ کار سوا اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے تئیں اس کے قدموں پر جا کر ڈال دے، اس لئے اب مجھے کیا کرنا چاہئیے —— اس نے تھوڑی دیر تک غور کیا اور پھر محمود کے نام ایک خط لکھا اور اُس کی میز پر چھوڑ کر ضروری سامان لیا اور چل دی۔

(۱۸)

محمود کو واپس آنے میں ذرا دیر ہو گئی، جس وقت وہ ہوٹل پہنچا

تو لنچ کا وقت تھا گھبرایا ہوا کمرہ میں پہونچا لیکن اختر وہاں موجود نہ تھی خیال کیا کہ شاید غسل خانہ میں ہوگی، لیکن اُدھر نگاہ ڈالی تو اس کا دروازہ بھی باہر سے بند تھا، گھبرا کر میز کی طرف دیکھا تو وہاں اُسے دو خط ملے، ایک سکینہ کا اور دوسرا اختر کا، اس نے سب سے پہلے اختر کے خط کو پڑھنا شروع کیا اس نے لکھا تھا کہ:۔

"جس وقت آپ واپس آئیں گے اور مجھے ہوٹل میں نہ پائیں گے تو یقیناً مضطرب ہوں گے لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ اضطراب دیرپا نہ ہوگا کیونکہ میرے خط کے بعد ہی آپ اپنی قابل عزت بیوی کی تحریر پڑھیں گے اور خود فیصلہ کر لیں گے کہ ایسی صورت میں میرے لئے چارۂ کار سوا اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ آپ سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جاؤں۔

میں گزشتہ چند دنوں سے اس بات کو محسوس کرنے لگی ہوں کہ میری ہستی میں اب کوئی چیز آپ کے لئے جاذب و دلکش باقی نہیں رہی اور جلد وہ دن آنے والا ہے جب آپ اپنی مردانہ بیوفائی سے کام لے کر اس حقیقت کو ظاہر کر دیں گے، لیکن جس وقت یہ خیال آتا تھا تو میں اپنے آپ کو ملامت بھی کرتی تھی کیونکہ آپ کے اخلاق سے ایسی بات منسوب کرنا میرے ایمان کے خلاف تھا، آپ کو نہیں معلوم، میں جانتی ہوں کہ اس کشمکش میں اپنی کتنی راتیں خراب کر چکی، لیکن آج صبح جب کہ تکلیف اپنی انتہائی حد کو پہونچ چکی تھی، آپ کی بیوی کا خط ڈاک سے آیا، یقیناً یہ نہایت غیر مہذب.

حرکت تھی کہ میں نے اسے کھول لیا، لیکن میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کونسا جذبہ تھا جس نے مجھے اس پر مجبور کر دیا، بہرحال آپ سے معافی چاہتی ہوں اور اپنی اس جسارت پر مسرور ہوں کہ اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید کبھی کسی نتیجہ پر نہ پہونچتی اور ہمیشہ دنیا میں خوار و ذلیل زندگی بسر کرتی۔

اس تحریر کے مطالعہ سے قبل میں جس چیز کو زندگی و مسرت سمجھتی تھی، ممکن ہے کہ وہ آپ کو ہمیشہ دلکش نظر آئے، لیکن اب میں اُسے بدترین لعنت سمجھتی ہوں، اور آپ کی بیوی کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکتی کہ اُنہوں نے میری آنکھوں سے وہ پردہ ہٹایا جو کسی دوسری طرح ہٹ ہی نہیں سکتا تھا؛ ان کی تحریر نے میری زندگی کا ایک نیا ورق اُلٹ دیا، انہوں نے مجھے بتایا کہ خلوص و محبت حقیقی معنی میں کس چیز کا نام ہے، اور دنیا کا وہ کونسا گم شدہ گوہر گراں مایہ ہے جس کے لئے انسان کی روحیں تڑپ رہی ہیں اور نہیں پاتیں۔

میں اپنے مصائب و نقائص سے آگاہ ہوں، مجھے اپنی سیاہ کارانہ زندگی کا ایک ایک واقعہ اس طرح یاد ہے، جیسے کسی نے گرم لوہے سے میرے دماغ میں اُسے منقوش کر دیا ہو، میں اپنے حالات و مرتبہ سے بھی ناواقف نہیں، لیکن آپ یہ سُن کر حیرت کریں گے کہ اپنی فہرست معاصی میں ناشکرگزاری کا جرم مجھے

کوئی نظر نہیں آتا؛ اس لئے آپ یقین کیجئے کہ میں تمام عمر اس جذبۂ منت پذیری سے اپنی ہستی کو خالی نہیں دیکھ سکتی کہ ایک خاتون نے، اسی مجلس کے ایک فرد نے جس میں بدقسمتی سے میں بھی شامل ہوں اس منزل کی طرف میری رہنمائی کی جس کے لئے میرا ضمیر تو ضرور بیتاب تھا لیکن میں اس تک پہونچنا چاہتی تھی غلط راستہ سے، اس وقت تک مجھے اپنی جس خصوصیت پر بڑا ناز تھا وہ میرے اس جذبہ سے متعلق تھی جسے دنیا ایثار و قربانی سے تعبیر کرتی ہے، میں سمجھتی تھی کہ میرے اندر ایک کیفیت ایسی موجود ہے کہ میں ایک دوست کے لئے اپنی جان تک دیدینے کے لئے آمادہ ہو سکتی ہوں کیونکہ دنیا جان ہی کو عزیز ترین چیز قرار دیتی ہے لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ ایک چیز جان سے بھی زیادہ عزیز ہے جسے محبت کہتے ہیں اور ایک محل قربانی کا اس سے بھی زیادہ بلند ہے جسے دشمنی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس ساعت سے میرے آپ کے تعلقات محبت کی ابتدا ہوئی اسی ساعت سے میں ایک نوع کی نفرت آپ کی بیوی کی طرف سے اپنے دل میں پاتی تھی اور بعد کو جب آپ نے مسئلہ ازدواج میں پس و پیش کرنا شروع کیا تو میری یہ نفرت زیادہ ہو گئی کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ یہی ہستی درمیان میں حائل ہے اور میرے حق کو غصب کیے ہوئے ہے لیکن میرے احساس کے ساتھ فطرت کے اس ستم ظریفانہ طرزِ عمل کو دیکھئے کہ

اسی نفرت انگیز ہستی کو حقیقت کے بے نقاب کرنے کا ذریعہ بنایا اور اس طرح اس کے تفوق کو مجھ پر ثابت کر کے ایک جانکاہ ضرب پہونچانے کا سامان بہم پہونچایا لیکن میں نے کہ فطرت سے جنگ کرنے کی مجھے عادت ہو گئی ہے اب بھی مقابلہ کیا اور باوجود ایک روحانی کرب و درد کے، میں نے دشمن کی بلندیٔ اخلاق کا اعتراف کر کے اپنی نفرت کو اُس سجدۂ نیایش میں تبدیل کر دیا جو ہر چند میری پیشانی کو مجروح کر دینے والا ہے لیکن روح کے لئے ایک لذت بے اندازہ اپنے اندر رکھتا ہے مغضب خدا کا میں کہ حقیقتاً آپ کو اپنا سمجھنے کے لئے کوئی جائز حق نہیں رکھتی، ایک مستحق کو غاصب قرار دوں اور وہی غاصب باوجود تمام حقوق اقتدار رکھنے کے اپنے بدترین دشمن کے لئے محبت ایسی عزیز چیز کی قربانی پر اس طرح خوش دلی کے ساتھ آمادہ ہو جائے، گویا یہ قربانی قبول کر کے دشمن اس پر کوئی بڑا احسان کرے گا کم از کم میرے لئے یہ اس قدر عجیب و غریب بات ہے کہ باور کرنے میں تامل ہوتا ہے لیکن اس کی صحت کا یقین کر لینے کے بعد میرے لئے کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا سوا اس کے کہ پاگل ہو جاؤں اور کپڑے پھاڑ کر کسی طرف کو نکل جاؤں۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کے طرز عمل نے مجھے شکوؤں سے لبریز کر رکھا ہے اور آپ کی طرف سے میرے دل میں لاکھوں شکایتیں

بھری پڑی ہیں، لیکن میں آج ان سب کو اپنے دل سے نکالے دیتی ہوں اور نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ آپ سے رخصت ہونا چاہتی ہوں کیونکہ آج میری حقیقی زندگی کا آفتاب اول مرتبہ طلوع ہوتا ہے اور میں اس کی روشنی کی پوجا اس حال میں کرنا چاہتی ہوں کہ میرا دل صرف اس سے بھر جانے کے لئے خالی ہو۔

البتہ میری ایک التجا ضرور ہے اور وہ آپ کو ماننی پڑے گی کہ سب سے پہلی فرصت میں جو کام آپ کو کرنا ہے وہ ہند سے جلد وطن پہونچنا ہے اس لئے نہیں کہ یہ آپ کا فرض ہے، کیونکہ میرے نزدیک مرد کو اپنے فرائض کا احساس بہت کم ہوتا ہے بلکہ اپنی بیوی تک میرا یہ پیغام پہنچانے کے لئے کہ "اے دیوی میں نے تیری آواز سن لی، اور اپنے آپ کو اس عہد کا ہمیشہ کے لئے پابند کر لیا کہ جب تک میری آخری سانس باقی ہے دنیا کے ہر گوشہ میں اسی آواز کی تبلیغ کروں گی اور دنیا میں جو دھڑکنے والا دل جو ڈھونڈنے والی آنکھ نظر آئے گی، اس کے سامنے تیری آواز کو پیش کر دوں گی، تیرے اس روحانی پیام کو پہنچا دوں گی اور اگر میں اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی تکمیل کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکی تو سمجھ جاؤں گی کہ مقصد حیات پورا ہو گیا اور پھر اگر تو اجازت دے گی تو تجھ سے ملنے کے لئے نہیں کہ تاریکی روشنی سے نہیں مل سکتی تجھے دیکھنے کے لئے نہیں کہ میری نگاہیں تجھ تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ صرف تیرا نقش قدم چومنے کے لئے آؤں گی اور اگر قسمت نے یاوری کی، اور تیرے قدموں تک پہنچ سکی تو سمجھ لوں گی کہ تو نے میرے اعترافات کو قبول کر لیا

اور پھر اپنی روح کو تیری منور تابناک فضا کی آغوش میں سونپ کے ہمیشہ کیلئے
مطمئن ہو جاؤں گی ۔" اختر

محمود نے اختر اور سکینہ کی تحریریں متعدد بار پڑھیں اور آہستہ آہستہ اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور پھر اس کے جذبات کے ہجوم کو اس سے بھی سکون نہ ہوا تو میز پر سر ڈال دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ حالت اس پر کب تک طاری رہی اور وہ کس وقت وہاں سے چل پڑا ، لیکن یہ معلوم ہے کہ شام کو ہوٹل کے اس کمرہ میں جہاں محمود مقیم تھا کچھ صورتیں اجنبی نظر آ رہی تھیں اور ہوٹل والوں کو یہ بھی یاد نہ تھا کہ صبح تک جو شخص یہاں مقیم تھا وہ کون تھا اور کدھر چلا گیا۔

(۱۹)

طفیل :" مجھے حیرت ہے اور اس قدر سخت حیرت کہ باوجود ضبط کی انتہائی کوشش کے میں آپ سے پوچھنے پر مجبور ہو گیا ۔"

شہاب :" مجھے حیرت ہے آپ کی حیرت پر کہ جو حقیقی محل حیرت کا ہوتا ہے وہاں سے تو آپ اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے آپ کی حس بالکل مردہ ہے اور جس واقعہ کو قدرتاً رونا ہونا چاہیئے اس پر متحیر ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ آسمانی معجزہ ہے حقائق سے روگردانی کر لینے اور اوہام میں مبتلا ہو جانے کی جیسی بہتر مثالیں کبھی کبھی آپ لوگ پیش کر دیا کرتے ہیں ، وہ بیشک اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ بعض اوقات میں بھی تعجب کرنے لگتا ہوں ۔"

طفیل :" آپ جو جی چاہے کہیئے ، لیکن میرا یہ استعجاب کسی طرح کم نہیں ہوتا کہ شہاب سا انسان ایسی شادی کرے جس کو اخلاق و مذہب کا قانون بھی کبھی روا نہیں

رکھ سکتا۔ آپ سوسائٹی کے ایک گوہر درخشندہ ہیں اور یہ تو آپ کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر "بناگوش" گوہر یا آویزے کے لئے وضع نہیں ہوتی۔ پیوند لگانے میں بھی ہمیشہ تناسب کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے معاف کیجئے انہیں قوت تمیز سے معرا سمجھا جاتا ہے"۔

شہاب: "آپ نے دوران گفتگو میرے متعلق جو کلمات تحسین کے ادا فرمائے ان کو سننے کے بعد میری قوت انفعال کو حرکت میں آجانا چاہئے لیکن آپ کو معلوم ہو کہ میں ان تمام منازل و مدارج کو طے کر چکا ہوں اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کی تعریف سے اخلاقاً مرعوب ہو کر حقیقت کو چھپانے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔

یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ میں سوسائٹی کا ایک گوہر درخشندہ ہوں آپ کی سوسائٹی کا یہ قانون ماننے پر تیار نہیں کہ کوئی "بناگوش" اس کے لئے وضع نہیں ہوتی۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سوسائٹی کا قانون اخلاقیات کے تحت مرتب ہوا کرتا ہے اور اخلاقیات کی دنیا میں یہ تفریق کہ میں تو ایسا کر سکتا ہوں اور وہ ایسا نہیں کر سکتا کفر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ آپ تو خود اس خیال کے تحت کہ فلاں "بناگوش" فلاں آویزۂ گوہر یا کے لئے موزوں نہیں تعاون کی روح کو داغدار کرتے چلے جاتے ہیں اور اس امر پر کبھی غور نہیں کرتے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہر "بناگوش" کو اس آویزہ کے لئے موزوں بنائیں۔

یاد رکھیئے سوسائٹی میں جب تک بلند و پست کا معیار صرف دولت کو قرار دیا جائے گا اس وقت تک کبھی معاشرت و تمدن کی خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح ایک انسان صرف دولت کی وجہ سے عزت کا مستحق نہیں ہو جاتا، اسی طرح افلاس ایک شخص کو ذلیل نہیں کر سکتا کیونکہ عزت و دولت کا تعلق میرے نزدیک اخلاق سے ہے اور اخلاق ہی کے نقطۂ نظر سے ایک پیوند کا تناسب یا عدم تناسب متعین کرنا چاہیئے۔

آپ کو حیرت ہے کہ میں نے ایک ایسی عورت سے جو آپ کے نقطۂ نظر سے کسی طرح میرے لئے موزوں نہ تھی، کیوں شادی کر لی، آپ کے پاس جو دلائل ہو سکتے ہیں، اُن کا تعلق عمر، دولت اور معاشرت سے ہے۔ یعنی نہ عمر کے لحاظ سے وہ میری انیس ہونے کی اہل تھی نہ دولت و معاشرت کی حیثیت سے، لیکن اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ نکاح اس حیثیت سے کہ .... وہ نکاح ہے اس کا تعلق قلب سے کم ہے اور روح سے زیادہ، تو کبھی معترض نہیں ہو سکتے۔ میرے نزدیک نکاح ہیئت اجتماعیہ کی اصلاح ہے، یعنی مرد و عورت کا اس طرح باہم تعلق پیدا کر لینا معنوی حیثیت سے گویا اس بات کا عہد کر لینا ہے کہ وہ دونوں مل کر سوسائٹی کی مدد کریں گے اور جس کا دلین منظر یہ ہے کہ انہوں نے عقد کے ذریعہ سے دنیا میں پابندی عہد، استواری قول اور ہمدردی و وفا شعاری کی بنیاد قائم کی، اس کے بعد اولاد ہو جانے پر جب نظام تمدن سے زیادہ وسیع تعلقات پیدا ہوتے ہیں تو نکاح کی غایت قریب تر ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت ہم سوسائٹی کے افراد میں اضافہ کرتے ہیں اور ہمارا فرض یہ ہوتا ہے کہ جن افراد کا اضافہ ہم کریں وہ سوسائٹی کے لئے مفید و معاون ثابت ہوں، اس غرض کو پیش نظر رکھ کر ہم بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ہیں تاکہ ان کا پیوند بھی اسی طرح مفید و مبارک ثابت ہو جس طرح ہم نے اپنے تعلقات ازدواج کو ثابت کیا۔

آپ ازدواجی زندگی کے تمام منازل کو دیکھئے اور غور کیجئے کہ اس کی کون سی منزل ایسی ہے جس کا تعلق ہیئت اجتماعیہ کی اصلاح سے نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ ایک حد تک ہمارے جذبات قلب بھی اس سے متعلق ہیں اور ہمارے شباب کے داعیات بھی اوّل اوّل اس میں کام کرتے ہیں لیکن یہ تعلق بالکل عارضی ہوتا ہے

اور چند دن کے بعد ہم اس کو بھول جاتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں نے جس خاتون سے عقد کیا ہے وہ ایک شریف خاندان کی فرد ہے، یعنی اپنی اصل اور معاشرت کے لحاظ سے ان میں یہ اہلیت موجود ہے کہ تمدن کو فائدہ پہونچا سکیں، لیکن فطرت نے جو انسان کا امتحان لینے کے لیے بعض اوقات سخت سے سخت ظلم کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے ان کو بیوہ کر دیا، اس حال میں کہ اپنی متعدد اولاد کی پرورش کرنے کے لئے وہ دُنیا میں کسی سے امداد کی توقع نہ رکھتی تھیں۔

یقیناً یہ آزمائش خاتون کی نہ تھی بلکہ سوسائٹی اور اس کے افراد کی تھی جو سوسائٹی کی غفلت سے تباہ ہو رہے تھے۔ اتفاق سے مجھے یہ حالات معلوم ہوئے اور میں نے کوشش کی کہ کسی طرح اس خاندان کی مدد کروں بغیر اس کے کہ رشتۂ ازدواج قائم ہو لیکن میں نے محسوس کیا کہ انسان بہت ضعیف الارادہ ہوا کرتا ہے ممکن ہے میرا یہ جوش کسی وقت کم ہو جائے اور میں اس کو تکمیل کی حد تک نہ پہنچا سکوں، اس لئے اس ارادہ کو زیادہ مضبوط بنانے اور اس امداد کو فرض کی حیثیت دینے کے لیے میں نے نکاح کر لینا ہی مناسب سمجھا اور یہ میرا ایمان ہے کہ اگر اس طرح میری کوششیں ایک بیوہ کی اولاد کی تربیت انجام دینے میں حقیقتاً کامیاب ہو گئیں تو میں اپنی زندگی کے ایک نہایت اہم فرض کو پورا کروں گا اور میری روح کو سچی مسرت حاصل ہوگی۔

آپ غور فرمائیے کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو سوسائٹی کے پانچ افراد بالکل بیکار ہو جاتے اور کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اُن کی حالت کس حد تک خراب ہو جاتی اور پھر اس خرابی کا سلسلہ ہیئت اجتماعیہ کو کس قدر نقصان پہونچاتا۔ یاد رکھئے کہ اگر آج قوم کا ایک فردِ خراب ہو جاتا ہے تو ایک صدی بعد صرف اسی ایک خرابی کی وجہ سے ہزارہا افراد

ویسے ہی اور پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر اس کا علاج انسانی قوت سے باہر ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یورپ و ایشیا میں متعدد قومیں ایسی ہیں جن کا پیشہ ہی جرم کرنا ہے۔ اور اگر آپ تفتیش و تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ان کے عالم وجود میں آنے کا ذمہ دار صرف ایک فرد تھا، جو کسی وقت میں سوسائٹی کی غفلت سے خراب و آوارہ ہو گیا تھا۔

آپ کی سوسائٹی کا نظام مرتب نہیں، آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ افراد کو کسی ایک رشتہ سے وابستہ رکھیں، آپ کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ آپ کے محلہ میں آپ کے خاندان میں کتنی ہستیاں ایسی ہیں جو آہستہ آہستہ برباد ہو کر دنیا میں ہلاکت اخلاق کے مہلک جراثیم پھیلا رہی ہیں اور پھر افسوس کیا جاتا ہے اس امر پر کہ ہماری قوم ترقی نہیں کرتی۔ آپ نے اپنی آنکھوں پر تو پٹی باندھ لی ہے اور حیرت کی جاتی ہے اس امر پر کہ ہماری بینائی کیوں کام نہیں دیتی۔

میرے نزدیک جس طرح سوسائٹی کے اور قواعد کا منشا تعاون و امداد ہے، اسی طرح نکاح کا منشا بھی یہی ہے اور جو نکاح اس خیال سے ہٹ کر کیا جاتا ہے وہ بالکل لغو و مہمل چیز ہے۔ اس لئے اب آپ خود غور کر لیجیے کہ میرا یہ فعل کس حد تک قابل الزام ہے، لیکن خدا کے لئے جوانی اور جوانی کے فلسفۂ محبت سے الگ ہو کر غور کیجیے۔

طفیل: "اگر یہی خیال تھا تو آپ اپنے خاندان میں شادی کرنے کے بعد بھی اس غرض کو پورا کر سکتے تھے اور میری رائے میں سب سے پہلے آپ کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے تھی۔"

شہاب: "یہ صحیح ہے لیکن افسوس ہے کہ میرا خاندان بہت محدود ہے اور

وہاں کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ میں اس غرض کو پورا کر سکتا علاوہ اس کے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اگر میں اس مسئلہ میں ذرا پس و پیش کرتا تو یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا اور پھر کسے خبر ہے کہ بعد میں کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی یا نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو میرے خیالات میں کس قدر تغیر ہو جاتا۔

جب آپ دیکھتے ہیں کہ سامنے کسی مکان میں آگ لگ رہی ہے تو فوراً اس کے بجھانے کے لئے کود پڑتے ہیں اور اس وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس قوت و ہمت کو محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ جب کبھی اپنے گھر میں آگ لگے تو اس سے کام لیا جائے "

طفیل " اگر اجازت ہو تو میں دریافت کروں کہ آپ نے اختر کی محبت کو کیوں رد کر دیا جب کہ آپ اسے قبول کر کے سوسائٹی کے ایک نہایت اچھے فرد کو ہلاکت سے بچا سکتے تھے "

شہاب " اختر سے نکاح کرنے کے بعد کبھی کسی مفید نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ میری اُن کی ازدواجی زندگی کا تعلق بر بنائے محبت ہوتا اور چند دن کے بعد جب محبت ختم ہو جاتی تو اسی کے ساتھ وہ خواہشیں بھی مردہ ہو جاتیں جو محبت کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں اور وہی خشونت شروع ہو جاتی جو اس طرح کے نکاح کا لازمی نتیجہ ہوا کرتی ہیں اور اس خشونت سے جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کے اثرات بہت ہی زیادہ مہلک ہوتے ہیں، علاوہ اس کے چونکہ میں تربیت کی خرابیوں کا بھی قائل ہوں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ناقابل علاج افراد جس قدر جلد ممکن ہو فنا کر دیئے جائیں، اس لیئے اختر کے معاملہ میں کہ وہاں یہ خرابی تھی اور

اس خرابی کا علاج میری رائے میں ناممکن تھا میری خواہش تو یہی تھی کہ کسی طرح جلد وہ اپنی زندگی کو ختم کر دیں تو اچھا ہے اور میں نے اس امر کی کوشش بھی کی کہ اس میں کامیاب ہو جاؤں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اختر اپنی فطرت کے لحاظ سے عجیب و غریب چیز ہے اور میری ظالمانہ کوششیں اگر اس طرح کامیاب نہیں ہوئیں تو دوسری طرح وہ ضرور بار آور ثابت ہوئیں اور مجھے اب یہ معلوم کر کے کس قدر مسرت ہے کہ انہوں نے اپنے مشاغل حیات میں غیر معمولی تغیر پیدا کر لیا ہے اور اپنے تمام کاروبار کو ہمیشہ کے لئے ترک کر کے متاہلانہ زندگی بسر کر رہی ہیں۔

اگر ان کی حالت چند دن تک یہی رہی تو آپ دیکھ لیں گے کہ ان کا یہ راہبانہ سوگ کس رنگ میں انہیں دنیا کے سامنے پیش کرے گا اور وہ وقت یقیناً ایسا ہوگا کہ میں خود تمنا کروں گا اُن سے شادی کی لیکن اپنی تمنا ان تک نہ پہنچا سکوں گا کیونکہ وہ میری تمناؤں کی دنیا سے بہت بلند ہوں گی اور ان کا وجود ایک آسمانی ہستی کی طرح بغیر اس کے کہ نظر آئے اوپر ہی سے بارش نور کیا کرے گا۔"

طفیل: "کیا آپ تعداد ازدواج کے قائل ہیں؟"

شہاب: "میں زیادہ اس کا مخالف نہیں کیونکہ اگر اُن اصول کو پیش نظر رکھ کر نکاح کیا جائے جن کو میں نے ابھی عرض کیا تو وہ خلشیں کبھی نہیں پیدا ہو سکتیں جن کی بنا پر تعداد ازدواج کی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں۔"

طفیل: "مگر آپ اس قدر بلند سطح پر ہیں کہ وہاں ہر عورت آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی اور اس کے لئے بڑی تعلیم کی ضرورت ہے۔"

شہاب: "بڑی تعلیم کی نہیں بلکہ چھوٹی تعلیم کی ضرورت ہے، آپ جسے بڑی

تعلیم کہتے ہیں وہ ترقی کے لئے بڑی روک ہے۔ کیونکہ عورت صرف ہماری منزل زندگی کو مسرور بنانے کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اس لئے اُس کے خیالات کو کسی اور طرف مائل ہونا ہی نہ چاہیئے۔ نسوانی تعلیم کی زیادتی نے یورپ کو جس قدر بے چین کر رکھا ہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے' اب ہندوستان بھی اسی کے قدم بقدم چلنا چاہتا ہے' سو اس کا نتیجہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے' یورپ میں تو خیر عورت باہر نکل کر اور علوم جدیدہ کی تکمیل کر کے کچھ نہ کچھ قوم کے ذہنیات میں بلندی پیدا کرتی ہے لیکن ہندوستان کی عورت پڑھ لکھ کر فسانہ نگاری اور غزل گوئی کی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آپ کے سامنے اس میدان کی تمام خرابیاں موجود نہیں ہیں' لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہاں کونسا جذبہ کام کر رہا ہے اور اس کا اثر ہماری نسلوں پر کتنا خراب پڑنے والا ہے' ابھی تو خیر اتنی حیا باقی ہے کہ بعض عورتیں اپنی غزل گوئی کو "عشق حقیقی" کے پردہ میں پیش کرتی ہیں' حالانکہ میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ یہ عشق حقیقی کیا بلا ہے اور اگر دیکھا تو پوچھیئے کہ آپ کو عشق حقیقی کرنے کی کیا ایسی شدید ضرورت لاحق ہوئی کہ اس کا اعلان رسائل و جرائد میں ہو ہمیں تو صرف ایسی عورتوں اور ایسی ماؤں کی ضرورت ہے جو تدبیر منزل کی صحیح معنی میں ذمہ دار ہوں اور اولاد کی پرورش ایک بلند معیار پر کر سکیں۔ ہم کو ایسی عورتوں کی حاجت نہیں جو "عشق حقیقی" میں مصروف رہ کر اچھے خاصے مکان کو خانقاہ بنا دیں اور عین اُس وقت جب کہ ہم کو حیات منزلی میں ان سے مدد لینے کی ضرورت ہو' یہ اطلاع ملے کہ وہ کونہ میں بیٹھی ہوئی عشق حقیقی پر غزل لکھ رہی ہیں۔

(۲۰)

ان واقعات کو دو سال کا زمانہ گزر گیا ہے اور محمود جو اپنی بیوی کے ساتھ صحیح معنی میں مسرت و لطف کی زندگی بسر کرنے کے مفہوم سے آگاہ ہو چکا ہے، تاہلانہ حیات کی معصوم کشاکش میں مصروف ہے، شہاب اس خاندان کی تربیت و تعلیم کے ابتدائی منازل سے گزر گیا ہے جس کی امداد اس نے اپنے اوپر نکاح کے ذریعہ سے فرض قرار دے لی تھی اور اختر پردہ نشین ہو کر حد درجہ عفت و عصمت کے ساتھ اس زنانہ مدرسہ کو چلا رہی ہے جسے اس نے اپنا تمام مال و اثاثہ بیچ کر اپنے وطن میں جاری کیا ہے اور جہاں تعلیم سے زیادہ تربیت اخلاق کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

طفیل نے آخری مرتبہ بمبئی کی ایک مشہور رقاصہ سے تعلق پیدا کر کے اسکو بھی تباہ و برباد کر دیا ہے، لیکن ابھی تک اس سے تعلق قائم ہے کیونکہ چند قطرے خون کے ابھی اس میں اور باقی ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ اب اُن کے نچوڑنے کے لئے کس قسم کا نشتر استعمال کیا جا رہا ہے۔

مطبوعاتِ فرمانؔ فتح پوری

۱۔ اردو افسانہ اور افسانہ نگار ۔ ۱۹۸۲ء

۲۔ اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرے نگاری ۔ ۱۹۷۲ء

۳۔ اردو کا افسانوی ادب ۔ ۱۹۸۸ء

۴۔ اردو کی ظریفانہ شاعری اور اسکے نمائندے ۔ ۱۹۸۸ء

۵۔ اردو کی منظوم داستانیں ۔ ۱۹۷۰ء

۶۔ اردو کی نعتیہ شاعری ۔ ۱۹۷۴ء

۷۔ اقبال سب کے لئے ۔ ۱۹۷۸ء، دہلی ۱۹۸۰ء

۸۔ تاویل و تعبیر ۔ ۱۹۸۴ء

۹۔ تحریک پاکستان اور قائد اعظم ۔ ۱۹۷۶ء ۔ ۱۹۸۱ء

۱۰۔ تحقیق و تنقید ۔ ۱۹۷۷ء، دہلی ۱۹۷۸ء

۱۱۔ تدریس اردو ۔ ۱۹۶۲ء ۔ ۱۹۷۲ ۔ ۱۹۸۵ء

۱۲۔ خطبات محمود ۔ ۱۹۸۳

۱۳۔ دریائے عشق اور بحرالمحبت کا تقابلی جائزہ ۔ ۱۹۷۲ء

۱۴۔ دید و باز دید (سفرنامہ) ۔ ۱۹۸۲ء

۱۵۔ زبان اور اردو زبان کراچی ۔ ۱۹۷۳ء

۱۶۔ غالب شاعر امروز فردا ۔ ۱۹۷۰ء

۱۷۔ فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت ۔ ۱۹۸۴ء

۱۸۔ میر انیس حیات اور شاعری ۔ ۱۹۷۶ء

۱۹۔ نیا اور پرانا ادب ۔ ۱۹۷۲ء

۲۰۔ نیاز فتح پوری شخصیت اور فکر و فن ۱۹۸۶ء

۲۱۔ ہندی اردو تنازع ۔ ۱۹۷۷ ۔ ۱۹۸۸ء

۲۲۔ اردو املا اور رسم الخط ۔ ۱۹۷۷ء

۲۳۔ اردو رباعی کا فنی اور تاریخی ارتقا ۔ ۱۹۶۲، ۱۹۸۲ء

۲۴۔ ارمغان گوکل پرشاد ۔ ۱۹۷۵ء

۲۵۔ قمر زمانی بیگم ۔ ۱۹۷۲ ۔ ۱۹۷۹

۲۶۔ نواب مرزا شوق کی مثنویات ۔ ۱۹۷۲ء

۲۷۔ اردو نثر کا فنی ارتقا ۔ ۱۹۹۰، دہلی ۱۹۹۳ء

۲۸۔ اردو شاعری کا فنی ارتقا ۔ ۱۹۹۰، دلی ۱۹۹۳ء

۲۹۔ مولانا جوہر حیات اور کارنامے ۔

۳۰۔ اردو کی بہترین مثنویاں ۔ ۱۹۹۰ء

۳۱۔ نیاز فتح پوری دیدہ و شنید ۔ ۱۹۹۰ء

۳۲۔ اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ ۔ ۱۹۹۰ء

۳۳۔ اردو املا اور قواعد ۔ ۱۹۹۰ء

۳۴۔ مولانا حسرت موہانی شخصیت اور فن ۔ ۱۹۷۷ء

۳۵۔ ڈاکٹر محمود حسین شخصیت اور کارنامے ۔ ۱۹۷۶ء

۳۶۔ قومی یکجہتی، اردو اور پاکستان ۔ ۱۹۹۲ء

۳۷۔ ادبیات و شخصیات ۔ ۱۹۹۳ء

۳۸۔ پاکستان اور سری پرکاش ۔ ۱۹۹۳ء

۳۹۔ سرسید آن دی پریزنٹ اسٹیٹ پالیٹکس ۔ ۱۹۸۲ء

۴۰۔ اردو کی بہترین مثنویاں ۔ ۱۹۹۳ء

۴۱۔ پاکستان موومنٹ اینڈ ہندی اردو کانفلکٹ ۔ ۱۹۸۶ء